مشتاق قمر کی نثر کا اسلوبی مطالعہ

("لہو اور مٹی"، "معتوبِ شہر" اور "ہم ہیں مشتاق" کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار:

لبنیٰ نازلی

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©جولائی ۲۰۱۹ء

مشتاق قمر کی نثر کا اسلوبی مطالعہ

("لہو اور مٹی"، "معتوبِ شہر" اور "ہم ہیں مشتاق" کے حوالے سے)

مقالہ نگار:

لبنیٰ نازلی

یہ مقالہ

ایم-فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©جولائی، ۲۰۱۹ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگو یجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **مشتاق قمر کی نثر کا اسلوبی مطالعہ ("لہو اور مٹی"، "معتوبِ شہر" اور "ہم ہیں مشتاق" کے حوالے سے)**

پیش کار: لبنیٰ نازلی رجسٹریشن نمبر: 1325/M/U/S17

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر عابد حسین سیال _____
نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمود _____
ڈین فیکلٹی آف لینگو یجز

بریگیڈیئر محمد ابراہیم _____
ڈائریکٹر جنرل

تاریخ _____

اقرار نامہ

میں لبنیٰ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابد حسین سیال کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گی۔

لبنیٰ نازلی

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

مئی ۲۰۱۹ء

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	viii
اظہار تشکر	ix

باب اول: موضوع کا تعارف، تحقیقی طریقہ کار اور بنیادی مباحث

الف: تمہید

i۔ موضوع کا تعارف	۱
ii۔ بیان مسئلہ	1
iii۔ مقاصد تحقیق	۲
iv۔ تحقیقی سوالات	۲
v۔ نظری دائرہ کار	2
vi۔ تحقیقی طریقہ کار	2
vii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق	۳
viii۔ تحدید	3
ix۔ پس منظری مطالعہ	۴
x۔ تحقیق کی اہمیت	۴
ب: نثر اور اسلوب	4
i۔اسلوب	6
ii۔اسلوب اور اسلوبیات میں فرق	8
iii۔اسلوب کے عناصر	8

iv۔افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے اسلوب میں فرق 11
ج: مشتاق قمر کا تعارف 12
i۔ مختصر کوائف اور شخصیت 12
ii۔ تصانیف 15
حوالہ جات 17

باب دوم: مشتاق قمر کی غیر افسانوی نثر کا اسلوب: انشائیہ
الف: "ہم ہیں مشتاق" کا تعارف 19
ب: مشتاق قمر کی غیر افسانوی نثر کے اسلوبی عناصر کا تجزیہ 27
i۔ شگفتگی 28
ii۔ انکشافِ ذات 31
iii۔ اختصار 36
vi۔ عدم تکمیل 38
v۔ غیر رسمی انداز 40
vi۔ فطرت نگاری 41
vii۔ تنوع 43
viii۔ زبان و بیان 45
حوالہ جات 50

باب سوم: مشتاق قمر کی افسانوی نثر کا اسلوب: افسانہ
الف: "لہو اور مٹی" اور "معتوبِ شہر" کا تعارف 54
ب: مشتاق قمر کی افسانوی نثر کے اسلوبی عناصر 55
i۔ علامتی انداز 55

ii۔ کہانی پن 64
iii۔ زبان و بیان 67
vi۔ پیچیدگی اور ابہام 69
v۔ تنوع 71
حوالہ جات 75

باب چہارم: تقابلی و مجموعی جائزہ اور سفارشات

الف: مشتاق قمر کی غیر افسانوی اور افسانوی نثر کے اسلوبی عناصر کا تقابل 78
ب: نتائج 83
ج: سفارشات 86
کتابیات 87

Abstract

Title:

Stylistic study of Mushtaq Qamar's Prose

Abstract:

Mushtaq Qamar is one of the most prominent writers of light essay (Inshaia) in Urdu. He started writing light/personal essays when this genre was in its introduction phase in Urdu. He also wrote short stories and a novel. He is a writer having distinguished style of writing which place him at an important place among his contemporaries. The present research is stylistic study of his prose with a comparative study of his writing style in essays i.e. non-fition and his short stories i.e. fiction.

The thesis comprises of four chapters:

First chapter includes the details of research topic, its scope and methodology followed by introductory and fundamental issues about prose and its style. Introduction of the writer Mushtaq Qamar is also a part of this chapter. Second chapter is the stylistic study of Mushtaq Qamar's non-fiction whereas third chapter focuses his fiction with special reference to his short stoties in the same context. The fourth one includes conclusion, findings followed by a few recommendations.

اظہارِ تشکر

شکر ہے اس ذاتِ بابرکات کا جس کی رحمت کے طفیل میرا یہ تحقیقی مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس تحقیقی سفر میں جن شخصیات نے میری معاونت کی، ان کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ سب سے پہلے میں صدر شعبہ اردو ڈاکٹر روبینہ شہناز کی شفقت اور رہنمائی کے لیے ان کی شکر گزار ہوں جن کا مشفقانہ رویہ تحقیقی مسافروں کے لیے زادِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں اپنے مقالے کے نگران ڈاکٹر عابد سیال کے لیے سراپا سپاس ہوں کہ ان کی مہربانیوں، کرم نوازیوں اور رہنمائی کی بدولت خاکے کی تیاری سے لے کر مقالے کی تکمیل تک تمام مراحل بآسانی طے ہوتے چلے گئے۔ ان کے خلوص کی گہرائی اور فراست کی روشنی نے میرے لیے عقل و دانش کے در وا کر دیے۔ ان کے بہترین مشوروں اور حوصلہ افزائی کے لیے میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میں ایم فل، پی ایچ ڈی کی کوآرڈی نیٹر ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی بھی شکر گزار ہوں کہ ان کی تحقیق سے متعلقہ ہدایات میرے لیے مشعلِ راہ رہیں۔ میں شعبہ اردو کے اساتذہ کرام خصوصاً ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر محمود الحسن، ڈاکٹر عنبرین شاکر جان، ڈاکٹر نازیہ یونس، ڈاکٹر رخشندہ مراد، ڈاکٹر صائمہ نذیر، ڈاکٹر ارشاد بیگم اور انجم مبین کی بے حد شکر گزار ہوں۔

کتب اور تحقیقی مواد کی فراہمی کے لیے میں مشتاق قمر کے اہلِ خانہ اور ان کے عزیز ڈاکٹر وسیم انجم، صدر شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ان تمام مراحل سے بطریق احسن گزرنے کے لیے انتہائی معاون ہستیاں میرے والدین، میرے بچے سعد اور سلویٰ اور میرے شریکِ حیات ملک حفیظ الرحمٰن صاحب کی شکر گزار ہوں جنھوں نے تعلیمی امور

کی تکمیل میں مجھے ذہنی سکون اور کام کا موقع فراہم کیا۔ ان کے علاوہ میں اپنی بھابھی صائمہ فرین، صائمہ اکرم چوہدری، سدرہ طاہر، یرمیہ کنول کے تعاون کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

لبنیٰ نازلی

اسکالر ایم فل اردو

باب اول

تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید

i۔ موضوع کا تعارف

مشتاق قمر (1934-1989) کا نام اردو انشائیے کے حوالے سے معروف لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ اپنے اسلوب کے اچھوتے پن اور بے ساختگی کے باعث انھوں نے بہت جلد اردو دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ ان کے انشائیے "اوراق" میں تواتر سے چھپتے رہے اور اہلِ نظر سے داد پاتے رہے۔ ان کے انشائیوں کا مجموعہ "ہم ہیں مشتاق" کے عنوان سے شائع ہوا۔ انشائیوں کے ساتھ ساتھ مشتاق قمر نے افسانے بھی لکھے۔ افسانے کے حوالے سے بھی ان کا اسلوب قابل توجہ ہے۔ ان کے افسانوی مجموعوں کے نام "لہو اور مٹی" اور "معتوبِ شہر" ہیں۔ ان کے ہاں کہانی پن بھی ملتا ہے اور انھوں نے افسانے کا علامتی پیرایہ بھی اختیار کیا۔ زیرِ نظر تحقیق ان تینوں کتابوں کے حوالے سے مشتاق قمر کے اسلوبِ نثر کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے۔

ii۔ بیان مسئلہ

مشتاق قمر نے غیر افسانوی نثر (انشائیے) میں بھی اپنی انفرادی پہچان بنائی اور افسانوی نثر (افسانے) میں بھی قابل توجہ کام کیا۔ ضرورت تھی کہ جائزہ لیا جائے کہ ایک ہی مصنف جب دو مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتا ہے تو دونوں اصناف میں اس کے اسلوب کے کون سے عناصر مشترک اور کون سے ممتاز ہوتے ہیں۔

iii۔ مقاصد تحقیق

- افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے اسلوبی امتیازات کا مطالعہ کرنا
- مشتاق قمر کی نثر میں افسانوی اور غیر افسانوی عناصر کا تعین اور تجزیہ کرنا
- مشتاق قمر کی نثر کے افسانوی اور غیر افسانوی اسلوبیاتی عناصر کا تقابلی جائزہ لینا

iv۔ تحقیقی سوالات

- مشتاق قمر کی غیر افسانوی نثر کے اسلوبی خصائص کیا ہیں؟
- مشتاق قمر کی افسانوی نثر کے اسلوبی خصائص کیا ہیں؟
- مشتاق قمر کے افسانوں اور انشائیوں میں اسلوبی عناصر کے اشتراک اور اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟

v۔ نظری دائرہ کار

کسی تخلیق کار کا اسلوب کئی عناصر سے تشکیل پاتا ہے جس میں بعض عناصر اس صنفِ ادب کے تقاضے کے تحت آتے ہیں جو تخلیق کار اختیار کرتا ہے اور بعض عناصر اس کی شخصیت اور انفرادیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے عناصر میں فرق ہوتا ہے اور تخلیق کار کی انفرادیت کا نقش بھی اس کی تحریر میں موجود ہوتا ہے۔ مجوزہ تحقیق میں اسی تناظر میں مشتاق قمر کی افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے اسلوبیاتی امتیازات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار

تحقیق کا موضوع مشتاق قمر کی نثر کا اسلوبی جائزہ ہے لہٰذا موضوع سے متعلق مطبوعات کی جمع آوری،

ترتیب اور مطالعہ و تجزیہ کیا گیا۔ اس میں تجزیاتی اور تقابلی مطالعہ زیادہ معاون طریقہ کار رہے۔ بنیادی ماخذات میں مشتاق قمر کی کتابیں جبکہ ثانوی ماخذات میں مشتاق قمر اور اسلوبِ نثر سے متعلق چھپنے والے مضامین، کتب اور رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بنیادی ماخذات تک رسائی کے لیے مشتاق قمر کے اہل خانہ خصوصاً ان کے بھانجے ڈاکٹر وسیم انجم سے مسلسل رابطہ رکھا گیا۔ ثانوی ماخذات کے لیے لائبریریوں سے رجوع کرنے کے علاوہ انٹرنیٹ اور دیگر ماخذات سے بھی حسب ضرورت استفادہ کیا گیا ہے۔

vii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق

مشتاق قمر اردو انشائیے کے نمایاں لکھنے والوں میں شامل ہیں اور ان کی ادبی خدمات کے حوالے سے متعدد ناقدین نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کے انشائیے پر ایم۔اے کا ایک مقالہ لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انشائیے پر ہونے والے تحقیقی مقالات میں ضمنی طور پر ان کے فکر و فن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی ادبی خدمات کے حوالے سے بھی ایم اے کی سطح کا ایک مقالہ لکھا گیا ہے جو ان کی تصانیف کے تعارف پر مشتمل ہے، تاہم ان کے اسلوبِ نثر کے دونوں حوالوں یعنی افسانوی اور غیر افسانوی کے تجزیے اور تقابل پر اس مقالے سے قبل کوئی کام نہیں ہوا تھا۔

viii۔ تحدید

زیر نظر تحقیق مشتاق قمر کے انشائیوں اور افسانوں کے اسلوبیاتی مطالعے پر مشتمل ہے جو ان کی تین مطبوعہ کتابوں "لہو اور مٹی"، "معتوبِ شہر" اور "ہم ہیں مشتاق" میں شامل ہیں۔ ان اصناف کے علاوہ ان کی دیگر تحریریں مقالے کی تحقیقی حدود سے باہر تھیں، اس لیے ان کا ذکر تعارف اور تصانیف والے حصے میں یا دیگر مقامات پر ضمنی طور پر آیا ہے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ

پس منظری مطالعے کے طور پر اسلوب، افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر کے امتیازات پر مبنی تنقیدی کتب کو پیش نظر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ مشتاق قمر کے انشائیوں اور افسانوں پر لکھے گئے تنقیدی مضامین، تبصروں اور تجزیوں کو بھی شامل تحقیق کیا گیا۔

x۔ تحقیق کی اہمیت

مشتاق قمر کی تحریروں نے انشائیہ فہمی اور انشائیہ کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کے انشائیوں کو بقول ڈاکٹر وزیر آغا بارش کے پہلے قطرے کی سی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح ان کے افسانوں نے بھی معاصر افسانوی ادب میں قابلِ ذکر مقام حاصل کیا ہے۔ تاہم ان کی ادبی خدمات وقت کی دھند میں چھپ سی گئی ہیں اور ان کے کام کو ان کے استحقاق کے مطابق سراہا نہیں گیا۔ ضرورت تھی کہ اس منفرد ادیب کی تحریروں کے فکری، فنی اور اسلوبیاتی تجزیے کیے جائیں اور ان کے کام پر مختلف جہات سے تنقید و تحقیق کی جائے۔ یہ مقالہ اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے۔

ب۔ نثر اور اسلوب

انسان نے جب اپنی ذات کا اظہار چاہا تو اس نے صوتی علامتوں اور اشاروں کے ذریعے اپنی بات کو دوسرے تک پہنچایا۔ بتدریج حروف سے لفظ اور لفظوں سے جملے بنتے چلے گئے۔ بولنے کا ڈھنگ سیکھنے کے بعد اس نے داخلی احساسات و جذبات، عقلی نزاکتوں اور لطافتوں کے بیان کے لیے ادب کو چنا۔ ادب انسانی شخصیت کے اظہار کا نام ہے۔ انسانی خیالات کی وسعت اور بوقلمونی نے ادب کو بھی رنگارنگی عطا کی۔ انسانی زندگی کے غم اور خوشی، جوش و ولولہ، محبت و نفرت، موت و حیات، قسم قسم کے جذبات اور حقائق ادب کا حصہ بنتے چلے گئے۔ چونکہ ادب اور انسانی زندگی لازم و ملزوم ہیں، اسی لیے معاشرے میں موجود لوگوں کی

تہذیب و تمدن، رسم و رواج، افکار و خیالات، نظریات، شغل اشغال اور فکری رجحانات کی عکاسی کے لیے موزونیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو تخلیقات کی جاتی ہیں، وہ ادب کہلاتی ہیں۔ انسانی زندگی کے ارتقا کے ساتھ ادب بھی ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔ اس طرح ادب کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ادب کی تقسیم دو طرح سے کی جاتی ہے: شعری ادب اور نثری ادب۔

ابتدا میں انسان نے شعر و سخن کو ذات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ دلی جذبات کے اظہار کے لیے شاعری سے بہتر کوئی صنف نہیں۔ مولانا شبلی نعمانی شعر کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ "جو جذبات الفاظ کے ذریعے ادا ہوں، شعر ہیں۔" [1] شبلی نعمانی نے جذبہ و تخیل کو ادا کرنے والے تمام الفاظ کو شعر کا درجہ دے دیا ہے جبکہ مجنوں گورکھپوری اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اپنے ذاتی تاثرات کا بے ساختہ اظہار، موزونیت اور موسیقیت کے ساتھ الفاظ میں کیا جائے تو وہ شعر ہے۔" [2]

شاعری انسان کی داخلی کیفیت کی عکاس ہوتی ہے۔ اس کے لیے الفاظ کا چناؤ بھی عمدہ اور حسین ہوتا ہے۔ ترنم اور موسیقیت سے بھرپور الفاظ شعر کی اثر پذیری میں اضافہ کرتے ہیں۔ انسان کی طبیعت شعر سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اسی لیے اقبال نے اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے شاعری ہی کا انتخاب کیا۔

نثری ادب، شعری ادب کی ضد ہے۔ شعر عموماً وزن اور بحور کا پابند ہوتا ہے لیکن نثر میں ایسی کوئی حد موجود نہیں ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان دوسرے انسانوں سے بات چیت کے ذریعے اپنا مقصد اور منتہا ظاہر کرتا ہے۔ اس گفتگو یا بات چیت کو اگر صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا جائے تو وہ نثر کہلاتی ہے۔ نثر کے لیے قواعد کی پابندی ضروری ہے۔ نثر اگر قواعد یعنی صرفی و نحوی ترتیب کا خیال رکھ کر نہیں لکھی جائے گی تو یہ نثر کی خامی خیال کی جائے گی۔ ہر لمحہ بدلتے ہوئے زمانے نے نثر کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "نثر کا قلمرو شعر کے قلمرو سے وسیع تر ہے۔ اس میں بھی جذبے کا اظہار ممکن ہے اور معقولات، معلومات، محسوسات، جذبات اور حقائقِ مجرد کا بیان بھی۔" [3]

ڈاکٹر سید عبداللہ نے نثر کو شعر کے مقابلے میں وسعت کا حامل گردانا ہے کیونکہ اس میں جذبات کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے، عقل سے متعلقہ تمام علوم اور حقائق کو بھی تحریر کیا جا سکتا ہے۔ فطری اور داخلی کیفیات کا بیان بھی نثر کے دائرہ کار سے دُور نہیں ہے۔ نثر نے تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ نثر کو بھی نقادوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک نثر کو تخلیقی قرار دیا ہے جس میں داستان، ناول، افسانہ، آپ بیتی، طنز و مزاح، خطوط نویسی، سوانح نگاری، انشائیہ نگاری، مقالہ نگاری غرض تمام نثری اصناف آجاتی ہیں۔ دوسری قسم کی نثر کو علمی یا منطقی نثر کہا گیا ہے۔ اس میں تخیل کا عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ عقل اور منطق کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد علوم و فنون کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ سائنس، ریاضی، فلسفہ اور معاشیات جیسے علوم و فنون کو وضاحت اور قطعیت کے ساتھ پیش کرنا علمی نثر ہی کا خاصہ ہے۔

i۔ اسلوب

اسلوب کسی ادیب کا طرزِ تحریر ہے۔ اسلوب کا لفظ عربی سے مشتق ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے style کا لفظ مستعمل ہے۔ اسلوب کے معنی مختلف لغات میں یوں بیان کیے گئے ہیں:

اردو انگلش ڈکشنری میں لکھا ہے:

"اسلوب:way, style, manner, mode, method" [4]

فرہنگِ عامرہ میں یہ معنی درج ہیں:

"اسلوب: طریقہ، طرز، روِش۔۔۔ جمع اسالیب" [5]

کشاف تنقیدی اصطلاحات میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات

کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت کے مشمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفہ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں، اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے۔" [6]

گویا اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کے لکھنے کا وہ ڈھنگ ہے جو اسے اس صنف کی ادبی روایت میں ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ مصنف جس عہد میں موجود ہوتا ہے، وہ عہد بھی اس کی انفرادیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مصنف کے اندازِ تحریر میں انفرادیت اس کے علم، کردار، مشاہدے، طبیعت کے میلان اور فلسفہ زندگی کے ملاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلوب کو شخصیت کے اظہار کا نام دیا جاتا ہے۔ خارجی اور باطنی زندگی سے آشنائی کے لیے مصنف کے اسلوب کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ الفاظ جذبات و احساسات کا لباس ہوتے ہیں۔ مصنف کی قدرتِ زبان بھی اسلوب وضع کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ریاض احمد "تنقیدی مسائل" میں اسلوب اور زبان کے تعلق کو یوں واضح کرتے ہیں: "اسلوب، زبان اور الفاظ کی خودسری کو رام کر لینے کا نام ہے۔" [7] ریاض احمد نے اسلوب کی تشکیل میں قدرتِ زبان کو اہمیت دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح کسی خودسر گھوڑے کو رام کر کے اس پر سواری کی جاتی ہے، بالکل اسی طرح الفاظ کی خودسری کو جو مصنف رام کر لیتا ہے، وہی منفرد اسلوب کا حامل بن جاتا ہے۔ سید عابد علی عابد نے مصنف کے انفرادی طرزِ تحریر کو اسلوب قرار دیا ہے اور اس کے کچھ عناصر کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بقول: "اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کا وہ انفرادی طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہو جاتا ہے۔ اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہیں۔" [8] سید عابد علی عابد نے انفرادی طرزِ نگارش کو اسلوب کا درجہ دینے کے لیے بہت سے عناصر کا ذکر کیا ہے۔ ان عناصر کا اسلوب کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

ii۔ اسلوب اور اسلوبیات میں فرق

اسلوب لکھنے کا انداز، طرز، نگارش اور طرزِ تحریر سے عبارت ہے جو مصنف کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کے مجموعی اظہار کا نام ہے۔ اسی اسلوب میں "یات" کا لاحقہ لگا کر اسلوبیات کی شکل دے کر فن کی سرحد پر پہنچا دیا گیا ہے۔ اسلوبیات کو دائرہ عمل میں لانے کے لیے دو طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے طریقے میں اسلوبیات کو ادبی اسلوب کا ہم معنی قرار دے کر مختلف قسم کے علوم و فنون اور ان کی شاخوں سے بحث کی جاتی ہے۔ اسلوبیات کی دوسری شکل فنی اسلوب کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ اس میں لسانیات کے اصول و قوانین کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین اسلوبیات کو ایک سائنس قرار دیتے ہیں۔ اس میں زبان کو ایک سائنسی حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن ادبی ذوق کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اسلوبیات یہ تو دیکھتی ہے کہ متن میں علامت نگاری، ابہام، قولِ محال، امیجری وغیرہ ہے یا نہیں لیکن ان تمام فنی خوبیوں کو سامنے رکھ کر ادنیٰ یا اعلیٰ کی حد نافذ نہیں کرتی بلکہ لسانی خوبیوں کے تعین اور شناخت ہی کو اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔

iii۔ اسلوب کے عناصر

اسلوب کی تعمیر و تشکیل میں تین قسم کے عناصر کا عمل دخل ہوتا ہے۔ خارجی اور داخلی عناصر کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن ایک تیسرا عنصر بھی اسلوب کو جانچنے کا پیمانہ ہے اور وہ ہے زمانے اور عہد کا اثر۔

اسلوب کی تعمیر و تشکیل میں خارجی عنصر بہت اہم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اسی کی جانچ پرکھ کی جاتی ہے۔ خارجی عناصر میں الفاظ کا انتخاب اور پیراگراف کی پڑتال سے اسلوب کی جانچ کا آغاز ہوتا ہے کہ مصنف استعاراتی انداز کا حامل ہے یا رومانوی انداز کا۔ اس کی تحریروں میں جوش اور جذبہ کس حد تک پایا جاتا ہے۔ کون سے الفاظ کا استعمال مصنف بار بار کر رہا ہے جو اس کا تکیہ کلام بن گئے ہیں۔ اگر مصنف مزاح نگار ہے تو

فقروں کی الٹ پھیر سے مزاح تخلیق کر رہا ہے یا واقعات کے بیان سے مزاحیہ صورت حال پیدا کر رہا ہے۔ تشبیہ اور استعارہ کا استعمال فطری ہے یا بناوٹی۔ لفظوں کی ہنر کاری تحریر کی زیبائش و آرائش میں اضافہ کرتی ہے۔ کسی بھی خیال کو اگر فصیح و بلیغ، سادہ و پُر کار، دلکش اور پُر تاثیر الفاظ کا روپ دیا جائے گا تو وہ ایک منفرد اسلوب کی تخلیق کا باعث بنے گا۔ اسلوب کا ظاہری رنگ روپ اجاگر کرنے میں یہی خارجی عناصر مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ جمالیاتی صفات اسلوب کے خارجی عناصر ہی کا حصہ ہیں۔ مثلاً ترنم، شعریت، نغمگی وغیرہ۔ اسلوب کے خارجی روپ میں الفاظ کا چناؤ اور اس کی بُنت ، جملوں اور عبارات کی ترتیب، زبان کے صرفی و نحوی قواعد کی پابندی، علم بیان و بدیع کا ماہرانہ استعمال شامل ہے۔ مزاح نگاروں کو دیکھا جائے تو ہر مزاح نگار ایک منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کے جملے اور ان کے ہر جملے سے منسلک واقعات ان کے منفرد انداز کی عکاسی کرتے ہیں۔ پطرس بخاری واقعات اور کیفیت کے بیان سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا مزاح سنجیدہ اور متین ہے۔ لفظوں کا چناؤ اسلوب کا تعین کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلوب کے خارجی عناصر ہی داخلی عناصر کا تعین کرتے ہیں۔

اسلوب کے داخلی عناصر کی بات کریں تو انسان کی شخصیت اسلوب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے سوچنے کا انداز، خیالات کا اتار چڑھاؤ، مشاہدہ کرنے کا انداز، پسندیدہ اور ناپسندیدہ عادات، مزاج کی تلخی یا شیرینی یہ سب کیفیات اسلوب کی تعمیر میں حصہ لیتی ہیں۔ ان تمام باتوں کا تعلق اسلوب کے داخلی عناصر سے ہے۔ انسان ہمیشہ دو دنیاؤں میں سفر کرتا رہتا ہے، ایک خارج کی دنیا اور دوسری اس کے باطن کی دنیا۔ داخلی دنیا خیالات کی آماج گاہ ہے۔ منفی خیالات، مثبت خیالات، محبت اور نفرت کے جذبات، یہ سب احساسات انسان کے اسلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ادیب کے اسلوبِ بیان کے اندر ایسی باتیں موجود ہوتی ہیں جو بظاہر چھپی ہوئی ہوتی ہیں، جن کے جاننے سے مصنف کے احساسات و کیفیات اور دیگر کوائف آشکار ہوتے ہیں۔ ادیب کے اس داخلی عنصر کے تحت ہی خارجی عنصر بنتا ہے۔" [9]

زندگی کو دیکھنے کے لیے ہر ادیب مختلف زاویہ نگاہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ادیب ایک منفرد اسلوب کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے داخلی اوصاف اس کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

اپنا مقصد اور مدعا بیان کرنے کے لیے ادیب کو تحریر کے مختلف انداز اپنانے پڑتے ہیں۔ معاشرے میں موجود برائیوں کے بیان کے لیے وہ کبھی طنز و مزاح سے کام لیتا ہے اور کبھی اچھائیوں کے بیان کے لیے شگفتہ اسلوب اختیار کرتا ہے۔ کبھی مصنف اپنی ہی ذات کو نشانہ تضحیک بنا کر معاشرے کے ناسوروں کو بے نقاب کرتا ہے۔

مصنف کی تحریر کو کیفیتی رنگ داخلی عنصر کی وجہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ مصنف کا انفرادی اسلوب اس کی دلی کیفیات اور تحریر کے ظاہری رنگ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان کی داخلی دنیا دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے۔ داخلی دنیا کا یہ اختلاف ادیب کے اسلوب کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔ اسالیب کی یہ بوقلمونی اسی اختلاف کی مظہر ہے۔ مصنف کی شخصیت، اوصاف، رجحان طبع، کردار، علم، مشاہدہ، مصنف کے اسلوب سے جھلکتے ہیں۔

ایک تیسرا عنصر جو اسلوب پر اثرانداز ہوتا ہے، وہ عہد یا زمانہ ہے۔ کسی زمانے کے معاشرتی حالات اور بڑی تبدیلیاں مصنف کی شخصیت کو متاثر کرتی ہیں۔ اس طرح جو ادب تخلیق ہوتا ہے اس پر اس کے عہد کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد: "اسلوب کسی چیز کو عصری تازگی کے ساتھ ساتھ تصدیقی پہچان بھی عطا کرتا ہے۔" 10

کسی بھی زمانے کا ایک خاص انداز، لہجہ اور مزاج ہوتا ہے۔ یہی عصری صفات کسی ادیب کی نثر میں نمایاں ہوتی ہیں۔ اس طرح ادب تاریخی حقائق کا ترجمان بھی بن جاتا ہے۔ عقلیت پسندی کی تحریک ہو یا رومانویت پسندی کی، جس زمانے میں ان کا اجرا ہوا، اس دور کا ادب ان کی صفات کا ترجمان ہے۔ سرسید کے منطقی اور افادی نقطہ نظر کا اثر نہ صرف ان کی تحریروں میں بلکہ اس دور میں تخلیق ہونے والے بہت سے

ادیبوں کی تحریروں میں دکھائی دیتا ہے۔ معاشرے کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات سے ادیب متاثر ہوتا ہے۔ زمانے کی یہ تبدیلی زبان پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔ زمانے کا اثر ادب اور زبان دونوں پر پڑتا ہے جس سے نیا اسلوب وجود میں آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز راہی: "خارج میں رونما ہونے والی تبدیلی ہی نئے زمانے کا تعین کرتی ہے اور نئے اسلوب کی بازیافت کا بار اٹھاتی ہے۔" [11]

iv۔ افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے اسلوب میں فرق

نثر کا وسیع دامن اپنے اندر معنی کا جہاں سمیٹے ہوئے ہے۔ تخلیقی نثر کی یہ خوبی ہے کہ یہ جذبات و احساسات کی ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ تخیل کی کارفرمائی کی وجہ سے تفنن طبع کا باعث بھی بنتی ہے۔ تخلیقی نثر کو مزاج کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر۔

افسانوی ادب کے لیے انگریزی کا لفظ فکشن مستعمل ہے۔ فکشن ایک لاطینی لفظ سے لیا گیا ہے۔ منتخب ادبی اصطلاحات میں فکشن کے حوالے سے درج ہے: "فکشن جس لاطینی لفظ سے مشتق ہے، اس کا مطلب گھڑنا یا بنانا ہے۔" [12]

کوئی بھی گھڑی ہوئی بات، تخلیق کی ہوئی کہانی، قصہ فکشن کے زمرے میں آتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے افسانوی ادب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اس حوالے سے لکھتے ہیں: "ایسی ہر تحریر جس میں کسی واقعہ، کہانی یا افسانے کو بیان کیا جائے فکشن کے زمرے میں آئے گی۔" [13]

گویا داستان، ناول، افسانہ، تمثیل، حکایت، سب کی سب افسانوی ادب کے ذیل میں آتی ہیں کیونکہ ان سب کی بنیاد کہانی ہے۔ یہ کہانی مصنف معاشرتی زندگی کا مشاہدہ کر کے یا اپنے تجربات کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ مصنف اپنے تخیل کی مدد سے اپنی داخلی کیفیات کو وقت اور زمانے سے ہم آہنگ کر کے اس طرح بیان کرتا ہے کہ گھڑی ہوئی بات پر حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ افسانویت اور کہانی پن ان تمام افسانوی اصناف میں ایک مشترک چیز ہے۔

غیر افسانوی نثر بھی تخلیقی نثر ہی کا حصہ ہے۔ غیر افسانوی نثر کا تعلق عموماً حقیقی واقعات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "قومی انگریزی اردو لغت" میں لکھتے ہیں: "غیر افسانوی، کوئی نثری تصنیف جو افسانوی نہ ہو جیسے انشائیہ، سوانح یا تواریخ۔" [14]

غیر افسانوی نثر ایسی نثر ہے جس میں کوئی من گھڑت قصہ نہ ہو بلکہ حقائق کو بغیر کسی تبدیلی کے بیان کیا جائے۔ غیر افسانوی نثر میں مضمون، مقالہ، انشائیہ، سوانح، آپ بیتی، مکتوب، خاکہ، تبصرہ، طنز و مزاح، سفر نامہ، ترجمہ وغیرہ شامل ہیں۔

افسانوی اور غیر افسانوی نثر میں فرق یہ ہے کہ غیر افسانوی نثر حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ حقیقی لوگوں کی زندگیوں، احساسات و جذبات اور مشاہدات پر مبنی ہوتی ہے۔ مافوق الفطرت عناصر کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ افسانوی نثر کا مواد تخیل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ افسانوی نثر میں کردار اور واقعات فرضی ہوتے ہیں۔ مافوق الفطرت عناصر افسانوی نثر کی دلکشی کا حصہ رہے ہیں۔

ج۔ مشتاق قمر کا تعارف

i۔ مختصر کوائف اور شخصیت

مشتاق قمر 7 جولائی 1934 کو محترم محمد حسین کے گھر تولد ہوئے۔ [15]

آپ کا قلمی نام مشتاق قمر اور اصل نام محمد مشتاق تھا۔ آپ راجپوت جنجوعہ کی گوت کھکھا سے تعلق رکھتے تھے۔ عاشق الٰہی محمود نظامی ان کے تایازاد بھائی اس ضمن میں کہتے ہیں:

"اس (مشتاق قمر) کی پیدائش 1934ء میں ہوئی۔ اس کی والدہ میری حقیقی خالہ تھی اور اس کا باپ میرا حقیقی چچا تھا، اور ابھی شیر خوار تھا کہ ہوشیار پور سے پنجاڑ ہمارے گھر آ گئے۔" [16]

آپ کی شیر خوارگی میں آپ کے والدین ہو ریہ ھلہ سے پنجاڑ آگئے، لہٰذا آپ نے ابتدائی تعلیم پنجاڑ ہی سے حاصل کی۔ بعد ازاں راولپنڈی چلے آئے۔ میٹرک جامعہ پنجاب سے 1951 میں کیا۔ جامعہ پنجاب ہی سے 1954 میں ایف۔اے، 1955 میں بی۔اے اور 1968 میں ایم۔اے انگلش کیا۔ آپ نے اپنی پہلی ملازمت لاہور میں ایک ٹکسال میں کی۔ 21 اکتوبر 1952 میں بحیثیت ایل۔ڈی۔سی جنرل ہیڈ کوارٹر سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ ملازمت میں بھی ترقی ہوئی۔ ایم۔اے انگلش کرنے کے بعد 14 مارچ 1969 میں اٹک کے گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ سرسید کالج واہ کینٹ اور سرسید کالج راولپنڈی میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ترقی پا کر 1984 میں اسسٹنٹ پروفیسر بن گئے۔ طویل علالت نے انھیں موت کے منہ تک پہنچا دیا۔ ڈاکٹر رشید امجد ان کے آخری سال کی ذہنی کیفیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ "اس کی گفتگو میں بے ربطی بڑھ گئی۔ کئی بار اسے احساس ہی نہ ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہے، کئی دوست ناراض ہو جاتے۔" 17

طبیعت کی خرابی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی، آخر آپ نے 14 جولائی 1989 بروز جمعہ عید الاضحیٰ کے دن اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ دیا۔ مشتاق قمر کی اولاد میں ایک بیٹا اور چھے بیٹیاں شامل ہیں۔ مشتاق قمر کے ظاہری خدوخال کے بارے میں جمیل آذر لکھتے ہیں:

> "لمبی ناک، لمبا منہ، مضبوط جبڑا، سرخ گندمی رنگ اور گہری سیاہ آنکھیں اس کے پوٹھوہاری پن کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ چہرے پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ اور معصومیت نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے اس کا گرویدہ بنا لیا۔" 18

مشتاق قمر اپنے ظاہری حلیے ہی سے محبت اور پیار جیسے جذبوں سے گندھے زندگی سے بھرپور انسان دکھائی دیتے تھے۔ اسی لیے جس کسی کو زندگی میں شامل کیا، اس کا ساتھ زندگی کی آخری سانس تک نبھایا۔ بڑوں کی عزت اور احترام اور چھوٹوں سے شفقت کا رویہ ساری زندگی اپنائے رکھا۔ وہ اپنے خاندان کے تمام

افراد سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی اولاد میں اپنی بیٹیوں اور اکلوتے بیٹے کے ساتھ یکساں سلوک کیا بلکہ بیٹیوں کے ساتھ زیادہ شفقت کی تاکہ وہ کسی قسم کی محرومی کا شکار نہ ہوں۔ ڈاکٹر رشید نثار جو ان کے گہرے دوست تھے، ان کی موت پر اپنے دکھ کا حیرت آمیز اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میں سوچتا ہوں وہ دل اور ذہن کے معاملے میں دوہری ذمہ داری کو کیسے نبھاتا تھا۔ مجھے اپنے سوال کا جواب آج مل گیا تھا کہ اس کا بیٹا پاگلوں کی طرح رو رہا تھا، اس کی بیٹیاں اپنے سر پیٹ رہی تھیں۔ یہ ماتم گساری زندگی کے کربلا میں برپا تھی، اس ماتم میں جمیل آذر اور میرے آنسو بھی شامل تھے۔ وہ اگر محبت، جمال اور رعنائی کا انسان نہ ہوتا تو اس کے مرنے پر کوئی بھی نہ روتا۔" [19]

زندگی کے غم انسان کی زندگی کو گھن کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ یہ حوادثِ زمانہ جذباتی اور معاشی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے صبر، حلم اور برداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشتاق قمر جذباتی اور معاشی دونوں طرح کے مسائل کا شکار رہے لیکن انھوں نے کہیں بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اپنی خاندانی ذمہ داریاں بحسن و خوبی نبھائیں۔ ان کے ظاہری رویے سے ان کی اندرونی کشمکش کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ چہرے پر وہی ازلی مسکراہٹ رہتی تھی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ اپنی بیماری کو بھلا کر دوستوں کے دکھ اور تکلیفوں میں شریک ہوتے۔ ان کی غم گساری کرتے اور انھیں حوصلہ دیتے تھے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کو جب مشتاق قمر کے دماغ میں موجود ٹیومرز کے آپریشن کا پتا چلا تو انھوں نے عیادت کے لیے فون کیا اور عیادت کے دوران جب یہ بتایا کہ ان کے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ خود عیادت کے لیے تشریف نہیں لا سکے۔ یہ سننا تھا کہ مشتاق قمر اپنی تکلیف بھلا کر ان کے بازو کی ہڈی کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ڈاکٹر وزیر آغا ان کی اس بے پایاں محبت اور ہمدردی کے بارے میں رقم طراز ہیں: "میں حیران ہوا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے اندر کے گھاؤ سے کہیں زیادہ اپنے دوست کی معمولی علالت کو اہمیت دیتے ہیں۔" [20]

ان کی محبت، ہمدردی، ایثار اور شفقت کا ایک زمانہ معترف تھا۔ ان کے بیوی بچے، ان کے بھائی، ان کے خاندان کے دیگر عزیز و اقارب، ان کے دوست احباب ان کی نرم دلی کا اعتراف کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی محنت مشقت کرتے ہوئے گزاری۔ سادگی کو شعار بنائے رکھا۔ مہمان نوازی ان کا شیوہ تھی۔ وہ آج بھی اپنے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی بدولت اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

ii۔ تصانیف

مشتاق قمر جملہ صفات کے حامل تھے۔ انھوں نے انشائیہ نگاری، ناول نگاری، افسانہ نگاری، تنقید نگاری اور مزاح نگاری کے میدانوں میں طبع آزمائی کی۔ انھوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز طنز و مزاح پر مبنی مضامین اور افسانوں سے کیا جو وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات و رسائل میں چھپتے رہے۔ ان کے افسانوں کا پہلا باقاعدہ مجموعہ "لہو اور مٹی" کے نام سے 1966 میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ المزاح، راولپنڈی سے شائع ہوا۔ افسانوں کا یہ مجموعہ 1965 کی پاک بھارت جنگ کے واقعات پر مبنی ہے جو مشتاق قمر کی حب الوطنی کی دلیل ہے۔ انھوں نے جب ڈاکٹر وزیر آغا، جمیل آذر، ڈاکٹر رشید نثار، ڈاکٹر رشید امجد، فتح محمد ملک جیسی ہستیوں سے میل جول بڑھایا تو ڈاکٹر وزیر آغا کی تحریک پر انشائیہ نگاری کی طرف مائل ہوئے اور انشائیے کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ ان کے انشائیوں کا مجموعہ "ہم ہیں مشتاق" کے عنوان سے 1970 میں شائع ہوا جسے مکتبہ اردو زبان، سرگودھا نے شائع کیا۔ ڈاکٹر بشیر سیفی، مشتاق قمر کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مشتاق قمر کا شمار ان انشائیہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے انشائیہ کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اردو انشائیہ کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے" [21]

مشتاق قمر انشائیہ نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری کی طرف بھی متوجہ رہے۔ ان کی تیسری تخلیق بھی افسانوی مجموعہ ہے جس میں علامیہ کا رجحان غالب ہے۔ "معتوبِ شہر" جون 1980 میں مکتبہ اردو زبان،

سرگودھا سے شائع ہوا۔ مشتاق قمر نے اپنے اس افسانوی مجموعے میں علامتوں کی حسین دنیا سجائی ہے۔ مشتاق قمر دنیا سے گزر گئے لیکن ان کی کاوشوں کی دریافت کا سلسلہ جاری ہے جس کا سہرا ڈاکٹر وسیم انجم کے سر ہے۔ انھوں نے مشتاق قمر کا ناول "ایک دن کا آدمی" مرتب کر کے 1999 میں شائع کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس کے بارے میں رقم طراز ہیں: "مشتاق قمر کا یہ ناول ایک انوکھی اور سدا زندہ رہنے والی تخلیق ہے۔" [22]

مشتاق قمر کا یہ ناول علامتی ہے۔ یہ ناول وہ اس دور میں تحریر کر رہے تھے جب موت آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

مشتاق قمر کو ڈراما نگار کی حیثیت سے ہمارے سامنے لانے کے لیے ڈاکٹر وسیم انجم نے "مشتاق قمر کے ڈرامے" کے عنوان سے پانچ ڈراموں پر مشتمل کتاب مرتب کی جسے انجم پبلشرز، راولپنڈی نے 2000 میں شائع کیا۔ مشتاق قمر نے ان ڈراموں کے ذریعے زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔

مشتاق قمر کے تحقیقی و تنقیدی مضامین "مکالمہ" کے نام سے، طنزیہ و مزاحیہ مضامین "سیاہ و سفید" کے نام سے، افسانے اور انشائیے "اپنا گھر" کے نام سے بتدریج طباعت کے مراحل سے گزرنے کے منتظر ہیں۔ ڈاکٹر وسیم انجم کے مطابق ان کی کتابوں کے یہ نام خود ان کے اپنے تجویز کردہ ہیں۔ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو یہ کتابیں بھی منظرِ عام پر آجاتیں۔ [23]

حوالہ جات

1۔ شبلی نعمانی، مولانا، شعر العجم، جلد چہارم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1972، ص34

2۔ مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، مکتبہ دانیال، کراچی، ص244

3۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، 1966، ص376

4۔ Urdu English Dictionary (Revised Edition), Ferozsons, Lahore, p.52

5۔ محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون 1989، ص36

6۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص13

7۔ ریاض احمد، "تنقیدی مسائل"، اردو بک سٹال، لاہور، 1961، ص178

8۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، اسرار کریمی پریس، الٰہ آباد، 1976، ص41

9۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، طیفِ نثر، مرتبہ: ممتاز منگلوری، لاہور اکیڈمی، لاہور، 1994، ص30

10۔ رشید امجد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی، راولپنڈی، 1988، ص31

11۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2003، ص13

12۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، محمد سلیم الرحمٰن (مؤلفین)، منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، 2005، ص89

13۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، اردو فکشن کی تنقید، لاہور، 1997، ص21

14۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1998، ص1321

15۔ بحوالہ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، مشتاق قمر کی ادبی خدمات مشمولہ شذراتِ انجم، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2018، ص95

16۔ عاشق الٰہی محمود نظامی، میرا بھائی مشمولہ مشتاق شناس، مرتبہ: وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2018، ص76

17۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مشتاق قمر چند یادیں چند تاثرات مشمولہ سرسیدین، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، راولپنڈی، 1999، ص47

18۔ جمیل آذر، میں اور مشتاق قمر مشمولہ ایک دن کا آدمی از مشتاق قمر، مرتبہ: وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 1999، ص166

19۔ رشید نثار، ڈاکٹر، مشتاق قمر کی شخصیت مشمولہ ماہنامہ "اوراق" لاہور، سالنامہ جنوری فروری 1990، جلد25، ص149

20۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ایک روشن چراغ مشمولہ "اوراق" لاہور، جلد25، شمارہ1-2، جنوری فروری 1999، ص162

21۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، اردو میں انشائیہ نگاری، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، 1989، ص260

22۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ایک دن کا آدمی مشمولہ "ادب لطیف" لاہور، جلد65، شمارہ4، جون2000، ص49

23۔ وسیم انجم، ڈاکٹر سے مقالہ نگار کا انٹرویو، بمقام وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد، مورخہ 16 جون 2019

باب دوم

مشتاق قمر کی غیر افسانوی نثر کا اسلوب: انشائیہ

الف۔ ''ہم ہیں مشتاق'' کا تعارف

مشتاق قمر انشائیہ نگاری کے افق پر نمودار ہونے والا وہ چمکتا ہوا ستارہ ہیں جنہوں نے انشائیہ نگاری کی ابتدا اور اس کے فروغ کے حوالے سے قابلِ قدر کام کیا ہے انہوں نے انشائیہ نگاری کی ابتدا ادبی پرچے ''اوراق'' سے کی۔ انہوں نے 1966ء میں انشائیہ نگاری شروع کی۔ ''اوراق'' وہ ادبی پرچہ ہے جس میں 1969ء تک مسلسل انشائیے لکھتے رہے۔ انہوں نے صنفِ انشائیہ کو مکمل دلچسپی سے اپنایا۔ ڈاکٹر انور سدید جو کہ اردو انشائیہ نگاری کا اہم نام ہیں اور ڈاکٹر وزیر آغا کے ہم عصر اور دوست ہیں مشتاق قمر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

> "مشتاق قمر خرگوش کی رفتار سے لکھنے اور ہمیشہ آگے رہنے والے ادیب تھے انہوں نے ۱۹۶۶ میں انشائیہ لکھنا شروع کیا تو 1969ء تک ''اوراق'' کے ہر پرچے میں ایک نیا انشائیہ پیش کیا۔" [1]

مشتاق قمر نے انشائیہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ دی اسی کا نتیجہ تھا کہ ''اوراق'' کا ہر پرچہ ان کے انشائیے سے مزین ہونے لگا۔ ان کے انشائیوں نے قاری کو نامعلوم مسرتوں سے آشنا کیا اور موضوع کے انجانے زاویوں پر روشنی ڈالی۔ نامعلوم پہلوؤں کی دریافت کا یہ عمل قاری کو انوکھی مسرت سے ہم کنار کرتا ہے۔ ''اوراق'' میں چھپنے والے یہ انشائیے جلد ہی کتاب کا روپ دھار گئے۔ ''ہم ہیں مشتاق'' کے عنوان سے مشتاق قمر کے انشائیوں کا مجموعہ میں منظر عام پر آ گیا۔

مشتاق قمر کے انشائیوں کا مجموعہ "ہم ہیں مشتاق" فروری ۱۹۷۰ء میں مکتبہ اردو زبان سرگودھا سے شائع ہوا۔ اس کا سرورق مصور اقبال اسلم کمال نے تیار کیا۔ "اردو کے اولین انشائیہ نگار ڈاکٹر وزیر آغا کے نام" انتساب کیا گیا۔ مقدمہ ڈاکٹر انور سدید نے بہ عنوان "پہلا پتھر" صفحۂ قرطاس کیا یہ ایک جامع مقدمہ ہے جس میں انشائیہ کے تمام مباحث پر نظر ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اس حوالے سے لکھتے ہیں۔ "مجھے اس بات کا اعتراف بھی کرنا ہے کہ مشتاق قمر کی کتاب کے مقدمے نے ہی مجھ پر انشائیہ کی بوطیقا آشکار کی اور بعد میں انشائیہ لکھنے پر آمادہ کیا۔" [2]

ڈاکٹر انور سدید نے اس مقدمے میں انشائیے کی ابتدا اور انشائیے کے لوازمات کے حوالے سے جو بحث کی ہے اس امر نے انہیں انشائیہ لکھنے کی تحریک دی۔

اس مجموعے کی زینت مشتاق قمر کے چودہ انشائیے بنے جو درج ذیل ہیں۔

1 بال کٹوانا
2 چھڑی
3 بیٹھنا
4 آئس کریم کھانا
5 دھوپ کھانا
6 تبدیلی نام
7 کوہ پیمائی
8 لونا نہم
9 بھول جانا
10 بڑھاپا
11 اپالوٹریجڈی

12 کچھ نیند کی مذمت میں

13 شہرت کی مخالفت میں

14 مرزا غالب زندگی کی ساتویں جہت

" ہم ہیں مشتاق" کا پہلا انشائیہ "بال کٹوانا" ہے جس میں بالوں کی ترتیب اور ان کی تراش کے عمل کو تہذیب کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ انسان کے تہذیبی ارتقا کے ساتھ ساتھ بتدریج بالوں میں بھی کمی آتی گئی۔ مہذب اور تہذیب یافتہ انسان دکھائی دینے کے لئے بالوں کی تراش خراش بے حد ضروری ہے مصنف کے خیال میں سر کے بال کٹوانا پرانی اور نئی تہذیب کے مابین ایک جنگ ہے۔ ان کے خیال میں

"تہذیب کی اصل تراش خراش اور بناؤ سنگار تو آپ کے باربر کی دکان میں ہی ہوتا ہے یہی وہ پانی پت کا میدان ہے جہاں ہر ماہ جدید و قدیم تہذیبوں کے درمیان (کم از کم ایک بار) عملی جنگ لڑی جاتی ہے۔" [3]

"چھڑی" ایک ایسا انشائیہ ثابت ہوا ہے جس نے ان کے ہم عصر ناقدین اور اہلِ علم کو چونکا دیا۔ وہ چھڑی جیسی معمولی اور بے ضرر چیز کو شخصیت کی وجاہت کی علامت قرار دیتے ہیں چھڑی ایک ایسا سہارا ہے جو زندگی میں توازن پیدا کرتا ہے خوشی اور غم دونوں حالتوں میں فاضل احساسات و جذبات کو چھڑی پر ڈال کر آپ اپنی حالت پر قابو پا سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ چھڑی کو ہاتھ میں لے کر انسان فہم و فراست، عقل اور بردباری کا دامن تھام لیتا ہے۔

"چھڑی نہ صرف آپ کی خارجی شخصیت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ آپ کی داخلی صلاحیتوں کو صیقل بھی کر دیتی ہے۔ آپ ہاتھ میں چھڑی لے کر نیکر بنیان میں برسرِ عام نہیں آسکتے۔ بس میں سوار ہونے کے لئے دھکم پیل سے گریز کریں گے۔" [4]

مشتاق قمر کا تیسرا انشائیہ انسان کی جبلی اور فطری حرکات میں سے ایک حرکت بیٹھنے کا انوکھا بیان

ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک بیٹھنا سستی اور کاہلی کی علامت ہے لیکن مشتاق قمر کے نزدیک بیٹھنا ایک ایسی حالت ہے جس کی وجہ سے زندگی کے سارے امور بآسانی انجام دیے جاسکتے ہیں جبکہ مستقل کھڑے رہنا انسان کے لئے ممکن نہیں۔ انسان جلد ہی اس سے اکتا جاتا ہے جبکہ بیٹھنے کے عمل میں سکون اور حرکت کا باہم ملاپ ہوتا ہے ان کا کہنا ہے کہ " زندگی کا ہر لطف بیٹھ کر اٹھایا جاتا ہے زندگی کے ہر موڑ سے پہلے بیٹھنا ضروری ہے"[5] وہ بیٹھنے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے بیٹھنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ زندگی کے ہر موڑ سے پہلے بیٹھنا ضروری ہے ماں بچے کو گود میں لے کر بیٹھتی ہے باپ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ جب وہ کمائی کرے گا تو وہ بیٹھ کر کھائیں گے۔

"آئس کریم کھانا" میں مصنف نے ایک دلچسپ غیر رسمی بات کو موضوع بنایا ہے ان کے خیال میں آئس کریم کھانا ہر گز خوشگوار عمل نہیں ہے۔ یہ ہمارے خلیوں کو جامد و ساکت کر دیتی ہے۔ جبکہ چائے پی کر زندگی کی حرارت ہمارے اندر دوڑ جاتی ہے آئس کریم کھانے کے بعد ایک گلاس پانی کے سوا کسی اور شے کی طلب نہیں ہوتی۔ جمیل آذر، مشتاق قمر کی انشائیہ نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "مشتاق قمر ہماری اردو انشائیہ نگاری کا ایک معتبر نام ہے۔ اس کے ہاں زندگی کے پیش پا افتادہ موضوعات سے انشائیہ کی قندیلیں روشن ہوئی ہیں۔ چھڑی، آئس کریم کھانا اور بال کٹوانا معنی آفرینی کی عمدہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔" [6]

"دھوپ کھانا" چوتھا انشائیہ ہے جس میں وہ مشورہ دیتے ہیں کہ انسان کا کام محض دریاؤں کا رخ موڑنا ہی نہیں بلکہ ان دریاؤں کے کنارے نرم ریت پر سر رکھ کر دھوپ کھانا بھی ہے۔ اس عمل کے دوران کسی دوسرے شخص کی موجودگی دھوپ کھانے کے عمل کو متاثر کرتی ہے دھوپ کھانے کے دوران آپ اپنی ذات کی دریافت کرتے ہیں۔ اسی دوران زندگی کا ایک نیا مفہوم آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ دھوپ کھانا ایک پر مسرت کیفیت کا نام ہے اور مسرت کی طرح اس کی بھی عمر طویل نہیں ہوتی۔

"تبدیلیٔ نام" ان کے انوکھے انشائیوں میں سے ایک ہے یہ انشائیہ دو ہم شکل بھائیوں دلاور خان اور اکبر خان سے متعلق ہے دلاور خان زندگی کا طویل عرصہ دلاور خان بن کر گزارتا ہے پھر اچانک ایک دن اخبار کے دوروپے فی سطر والے اشتہار کے توسط سے "دلبر خان" بن جاتا ہے مصنف جب اسے دیکھنے جاتے ہیں تو اس کی شخصیت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ اس انشائیے کے ذریعے مصنف یہ پیغام دیتے ہیں کہ چیزوں کا در حقیقت اپنا کوئی نام نہیں ہوتا ہم خود انہیں نام دیتے ہیں جبکہ اشیا کا اصل حسن بے نام رہنے میں ہے۔ ہر گمنام چیز لازوال حسن کی حامل ہوتی ہے۔ نام کی اسی حقیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> "اشیاء کا اپنی اصلی حالت میں کوئی منفرد نام نہیں ہوتا یہ دیوار خود ہم اپنے ہاتھوں تعمیر کرتے ہیں اور مجھے اس خود ساختہ دیوار کے عقب میں ایک ایسے معاشرے کے آثار نظر آرہے ہیں جہاں کوئی زید ہے نہ بکر صرف بھیا، بہناں، آپا، آپی، ابا، چچا، ماموں، بابو، بی بی ہیں۔ جہاں افراد اور شخصیات کی بجائے اقدار کا سکہ چلتا ہے ہر بے نام اور "گمنام" چیز میں لازوال حسن اور جاذبیت ہوتی ہے۔" [7]

انشائیے "کوہ پیمائی" میں مشتاق قمر نے اس فطری حقیقت کو بیان کیا ہے کہ انسان ہمیشہ بلندی کا خواہاں رہا ہے انسان ہمیشہ بلندی کی طرف جانے کی منصوبہ بندی کرتا ہے کوہ پیمائی بھی در حقیقت ایک ایسے ہی جوش کا مظہر مشغلہ ہے اکثر اوقات کوہ پیما راستے میں ہی سفر کی دشواریوں اور طوالت سے اوب جاتے ہیں جن لوگوں میں جوش اور جذبہ زیادہ ہوتا ہے وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں لیکن اس کے بعد جب داخلی ابال سرد پڑ جاتا ہے تو ان کے قدم نشیب کی جانب اٹھتے چلے جاتے ہیں مشتاق قمر انشائیہ "کوہ پیمائی" میں بیان کرتے ہیں۔

> "کوہ پیمائی دراصل ایک داخلی ابال کا خارجی اظہار ہے۔ اس داخلی ابال کا شعلہ اکثر اوقات راستے میں ہی سرد پڑ جاتا ہے مگر کبھی کبھی عین بلندی پر پہنچنے کے بعد۔ البتہ اس کے سرد پڑتے ہی انسان کے قدم بے اختیار نشیب کی جانب اٹھنے لگتے ہیں اور پھر وہ بیس کیمپ میں آکر ہی دم

لیتا ہے۔ [8]

"لونا نہم" کے عنوان سے لکھے گئے انشائیے میں مصنف نے دو باتوں کا ذکر کیالونہا ایک۔ ھ م کا چاند کی سطح پر کامیابی سے اتر جانا اور وہاں کی تصاویر ارسال کرنا۔ دوسری بات ان کے دوست کا ساٹھ دن چار گھنٹے میں پوری دنیا کا سفر کرنا اور اس پر سفر نامہ بھی تحریر کرنا۔ سفر نامے کی ایک جلد مصنف کو بھی ان کے دوست نے ارسال کی۔ جو کاپیاں مختلف جرائد اور رسائل کو بھیجی گئی تھیں انہوں نے اس بارے میں جو رائے دی وہ مصنف کے الفاظ میں کچھ یوں ہے

"جن کی متفقہ رائے یہ تھی کہ سفر نامہ گھر پر ہی بیٹھ کر لکھا گیا تھا نیز یہ کہ جن صاحب نے یہ سفر نامہ لکھا ہے ساری دنیا تو کیا انہیں کبھی لاہور بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا ہو گا۔ [9]

اس انشائیے میں مصنف نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو کہ سفر کیے بغیر ہی سفر نامہ تحریر کر دیتے ہیں مصنف کا خیال ہے کہ تصور میں ہم پوری دنیا کی سیر کر سکتے ہیں۔ تصور کی یہ دنیا انسان کے لئے لازم ہے تصور اور حقیقت کے بُعد کو ختم نہیں کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں وہ ایک دوست کے خیالی مکان سے لے کر حقیقی مکان بنانے کے سفر کا ذکر کرتے ہیں خیالی مکان میں جو خوشی اور راحت تھی وہ ان کو حقیقی مکان بنا کر حاصل نہ ہوئی۔ پھر وہ اپنے مکان کی خیالی تصویر بیان کرتے ہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر وسیم انجم پروفیسر مشتاق قمر کے ذاتی گھر کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

" قائد آباد کے پلاٹ کو تین حصوں میں منقسم کر کے مکانات تعمیر کرائے۔ ایک اپنے لئے جہاں ان کے بیوی بچے رہائش پذیر ہیں۔ دوسرا اپنے داماد طاہر محمود کے لئے اور تیسرا ڈبل سٹوری چھوٹے بھائی منیر نیر کے لئے تھا۔" [10]

مصنف کا خیال ہے کہ خیالی مکان میں انسان اپنی ذاتی خواہش، اولاد، والدین اور عزیز واقارب کی خواہشات کو بھی تکمیل تک پہنچا سکتا ہے لیکن حقیقت کی تلخ دنیا میں ایسا کرنا ہر کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔

انشائیہ "بھول جانا" اگرچہ ایک فطری انسانی کمزوری کا غماز ہے جسے کمزور حافظہ بھی کہا جاتا ہے لیکن مصنف کے خیال میں حافظے کی یہ کمزوری ایک نعمت ہے۔ نعمت بھول جانا در گزر کو جنم دیتا ہے اکثر اوقات ہم اپنی زندگی کی تلخیوں کو بھلا کر آگے بڑھ جاتے ہیں بھول جانے کی یہ عادت ہمیں سکون و عافیت عطا کرتی ہے۔ان کا خیال ہے کہ ہمارے تعلیمی نظام میں یاد کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے حالانکہ یاد کرنا آسان اور بھول جانا مشکل ہے ہمیں بھول جانے کی تربیت دی جانی چاہیے تاکہ ہم دائمی مسرتیں حاصل کر سکیں۔

مشتاق قمر انشائیہ "بڑھاپا" میں دو قسموں کے بڑھاپے کا ذکر کرتے ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں انسان اپنی اصلی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے اس کا ذہنی شعور ترقی کے مدارج جلدی طے کر جاتا ہے جس کا انجام مایوسی سے بھری موت ہے۔ ایسا بڑھاپا انسان کے لئے خطرناک ہے۔ دوسری قسم کا بڑھاپا اصل بڑھاپا ہے۔اس اصلی بڑھاپے کو انسان مشکل سے قبول کرتا ہے ہمیشہ جوان رہنے کی خواہش اسے اس حقیقت کا انکار کرنے پر اکساتی ہے لیکن مشتاق قمر کے خیال میں یہ ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے تمام منفی قوتوں سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں زندگی اصل اور منزہ صورت میں ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

> "یہ بڑھاپا ہی ہے جو آپ کا چھنا ہوا سارا سرمایہ مع سود لوٹا دیتا ہے۔ بڑھاپا نہ صرف آپ کے لئے ایک دھلا دھلایا بستر مہیا کر دیتا ہے بلکہ وہ تمام منفی قوتیں بھی سلب کر لیتا ہے جو آپ اور آپ کی مسز "شاہانہ" کے مابین دیوار بنی ہوئی تھیں۔" 11

"اپالوٹریجڈی" میں مشتاق قمر توہم پرستی کی حمایت کرتے ہیں اور اس کا موازنہ سائنسی ایجادات سے کرتے ہوئے کہتے ہیں توہمات در حقیقت علامتی نظام ہے ان سے بے رخی اختیار کرنے کی بجائے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیے دیہات میں توہم پرستی کا رواج بہت زیادہ ہوتا ہے۔ قبرستان کی سب سے پرانی قبر پر دیا جلانا، کوے کا بولنا، کالی بلی کا راستہ کاٹنا وغیرہ وغیرہ مصنف کا خیال ہے کہ ہمیں توہمات پر سائنسی ایجادات کو فوقیت نہیں دینی چاہیے۔ لکھتے ہیں:

"میرا اشارہ اپالو ٹریجڈی کی طرف ہے ہر بار کوے کی کائیں کائیں درست ثابت نہیں ہو پاتی تو دورِ حاضر کی سب سے ترقی یافتہ سائنسی کل (راکٹ) کی پرواز بھی تو ہر بار کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ 12

مصنف نے اپالوون کی طرف اشارہ کیا وہ خلائی راکٹ جس میں تین خلاباز سوار تھے جن میں سے دو امریکی اور ایک کورین تھا تکنیکی خرابی کی وجہ سے اپالوون کا رابطہ جلد ہی زمین سے منقطع ہو گیا آخری آواز جو سنی گئی وہ "Flame" یعنی شعلے کی تھی اس کے بعد یہ راکٹ آگ پکڑ گیا تینوں خلاباز جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مصنف کے خیال میں حادثات کی وجہ سے توہمات متاثر کرتی ہیں لیکن دوسری طرف سائنسی ایجادات بھی حادثات کی وجہ سے تشنہ رہ جاتی ہیں۔ ان کے خیال میں اپالو ٹریجڈی کی اصل وجہ کالی بلی کا راستہ کاٹنا تھا۔

"کچھ نیند کی مذمت میں" ایک دلچسپ انشائیہ ہے۔ مشتاق قمر کے نزدیک زندگی ہلچل کا نام ہے اور نیند موت کی مظہر ہے۔ اس لئے رات کو خود سونے کی بجائے دوسروں کو سلائیں اور کائنات کی وسعت میں خود کو گم کر دیں۔ ہنستی ہوئی اور مچلتی ہوئی زندگی فطرت کا درس ہے۔ انسان جب مایوس ہوتا ہے تو کچھ دیر کے لئے اس مایوسی سے بچنے کے لئے سو جاتا ہے سونا اگر فطری عمل ہوتا تو لوگوں کے سونے کے انداز میں بے قاعدگی نہ ہوتی۔ مصنف کا کہنا ہے کہ

"مجھے گھر میں سوئے ہوئے افراد اور قبرستان میں خوابیدہ انسانون کے درمیان صرف قبر کے تعویذوں کا فرق ہی محسوس ہوتا ہے ورنہ یہ لحافوں تلے بے خود پڑے ہیں اور وہ مٹی کے بوجھ تلے! 13

"شہرت کی مخالفت میں" بھی اسی نوع کا انشائیہ ہے جس میں مشتاق قمر شہرت کے مقابلے میں گمنامی کی زندگی کو فوقیت دیتے ہوئے کہتے ہیں انسان کی پوری زندگی شہرت کے حصول کے لیے مشقت کرتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ شہرت حاصل کرنے کے بعد انسان کی شخصیت پر تحقیق شروع ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی کے

وہ پہلو بھی سامنے لائے جاتے ہیں جو وہ کسی دوسرے کے سامنے لانا نہیں چاہتا۔ شہرت کی چڑیا کو قید کرنے کے بعد انسان گمنامی کی تنہائی چاہتا ہے۔ شہرت کا طالب جب شہرت حاصل کر لیتا ہے تو پھر جلد ہی اس سے تنگ بھی آجاتا ہے۔ مشتاق قمر شہرت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:"شہرت کوئی حقیقی شے نہیں۔ یہ محض ایک واہمہ ہے۔ایک سراب---" 14

"ہم ہیں مشتاق" کا آخری انشائیہ "مرزا غالب۔۔۔زندگی کی ساتویں جہت" ہے۔اس انشائیے میں انہوں نے مرزا غالب کی زندگی کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے زندگی کے مروجہ اصولوں سے انحراف کر کے ایک نئی روش، ایک نئے انداز کو سامنے لانا مرزا غالب کا کارنامہ ہے۔ زندگی اگر شش جہات رکھتی ہے تو ساتویں جہت مرزا غالب کی وجہ سے ہمارے سامنے آتی ہے اس رویے کی وضاحت کرتے ہوئے مشتاق قمر بیان کرتے ہیں۔

> "یہ ساتویں منزل زندگی کے متعلق ایک مخصوص رویہ سے جنم لیتی ہے۔ اس کی ملکیت کا دعوی وہی حضرات کر سکتے ہیں جو مرزا غالب کی طرح دن کے وقت لٹ جانے کا جشن محض اس لئے مناتے ہیں کہ رات کو چین کی نیند میسر آسکے گی۔" 15

ب۔مشتاق قمر کی غیر افسانوی نثر کے اسلوبیاتی عناصر

مشتاق قمر انشائیہ نگاری کا ایک اہم اور معتبر نام ہے۔ انہوں نے افسانے اور ناول بھی تحریر کیے لیکن ان کی غیر افسانوی نثر کے حوالے سے ان کے انشائیے ہی ان کی پہچان بنتے ہیں۔ وہ انشائیے کے مزاج کو سمجھ کر اس سے جمالیاتی تسکین حاصل کرتے ہیں ان کی یہ جمالیاتی تسکین قاری کی فکری لذت کو مہمیز عطا کرتی ہے۔ مشتاق قمر کے انشائیوں میں اسلوب کی تازگی کی بدولت ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ قاری کے ذہن اور دل کے دروازے کھلتے چلے ہیں اور وہ تحیر آمیز مسرت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ وہ اشیا کے غیر مانوس زاویے قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

i۔ شگفتگی

مشتاق قمر کے انشائیوں میں ان کے اسلوب کا لطیف اور شگفتہ انداز ملتا ہے۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں اپنی بات کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب کا جوہر شگفتگی ہے۔ ان کے ہاں مزاح کی ایسی لطیف شکل ہے جو بعض اوقات صرف ان کے ہاں انبساط کی کیفیت طاری کرتی ہے اور بعض انشائیے پڑھ کر بے ساختہ ہلکی مسکراہٹ لبوں پر نمودار ہوتی ہے۔ یہ شگفتگی انشائیہ نگاری کا خاص جوہر ہے جو مشتاق قمر کے انشائیوں میں موجود ہے۔ کچھ جگہوں پر وہ لفظوں کے بر محل اور منفرد استعمال سے تازگی اور شگفتگی کا عنصر پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے ایک انشائیے "بال کٹوانا" میں بالوں کے جھڑ جانے کے بعد گنجے سر کی حالت کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

> "البتہ مکمل طور پر مہذب ہونے کے لئے آپ کو اس وقت کا انتظار کرنا ہو گا جب آپ کو بار بر کے دستِ شفقت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور آپ کی چاند کسی ارتقائی عمل کے تحت ایک ایسے چکنے کدو میں تبدیل ہو جائے گی جس پر بال تو ایک طرف خود خیال کے قدم بھی پھسلنے لگیں گے۔" 16

> "لیکن فی الحقیقت آپ کے سر کے بال ہی تہذیب کے آئینہ دار ہیں چنانچہ آپ دیکھئے کہ جو حضرات مہذب بننے کے شوق میں پوری پوری لائبریریاں چٹ کر جاتے ہیں ان کے سروں پر سے پرانی تہذیب کی یہ آخری نشانی از خود غائب ہو جاتی ہے اور پھر دنیا بھر کے تیلوں کی کاک ٹیل بھی اسے بحال نہیں کر سکتی۔" 17

مذکورہ انشائیے میں وہ بال کٹوانے کو تہذیب کی علامت قرار دیتے ہیں اور مہذب ہونے کے بعد "پرانی تہذیب کی آخری نشانی کا از خود غائب" ہو جانا، چاند کا "چکنے کدو" میں تبدیل ہو جانا، "خیال کے

قدم پھسلنا" جیسے الفاظ کے استعمال سے قاری کو انبساط کی کیفیت سے دوچار کرتے ہیں۔

مشتاق قمر بعض اوقات واقعات اور کیفیات کے بیان سے تازگی اور خوش مذاقی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حالات واقعات کو اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ قاری اس سے بہت لطف اور حظ حاصل کرتا ہے اور خود کو اسی ماحول کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ یہ واقعہ دھوپ سے مستفید ہونے کے لئے کپڑوں سے نجات کا ہو یا سفر نامے کے سفر کا قاری دونوں قسم کے بیانات سے تسکین حاصل کرتا ہے۔ ان کے انشائیوں میں بشاشت اور شگفتگی بات چیت اور مکالمے سے بھی نمودار ہوتی ہے۔ وہ موضوع کی قاری اور مصنف سے اس طرح بات چیت کرواتے ہیں کہ کہیں بھی تنگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ بات کا تاثر بڑھ جاتا ہے۔ انشایئے میں سادگی اور روانی مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان کا انشائیہ بڑھاپا اس کی واضح مثال ہے۔ وہ بڑھاپے اور قاری کے دوران بات چیت کروا کے قاری کو اس انشایئے کا حصہ بنا دیتے جس سے قاری اکتسابِ مسرت کرتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید "ہم ہیں مشتاق" کے مقدمے میں مشتاق قمر کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دوسری بات یہ ہے کہ وہ ادعا پرستی کا قائل نہیں اسی لیے مناظرے یا محاکے کا ماحول پیدا کرنے کی بجائے وہ ایک ایسی خوشگوار فضا تخلیق کرتا ہے جس میں موضوع، مصنف اور قاری ایک ہی میز پر تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔" 18

> "تب بڑھاپا آپ کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہتا ہے بھاگ رہا تھا مجھ سے۔۔۔جی بھر کے دیکھ لے دنیا کو۔ اب تجھے کسی مریخ سے مکھڑے کو کنکھیوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھو۔ ٹٹول کر دیکھو۔ جس کا جی چاہے منہ چوم لے۔ جسے چاہے گود میں بٹھالے۔ پڑوس تو کیا کراماکاتبین کو بھی تمہاری نیک نیتی پر شبہ نہیں گزر سکتا۔" 19

بڑھاپے کی افادیت بیان کرتے ہوئے مشتاق قمر انسانی نفسیات سے آشنائی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

ان کے خیال میں بڑھاپے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حسینوں کی قربت حاصل کرنے کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں بڑھاپے کی بدولت انسان کا کردار ہر قسم کے شک اور سب سے بالا ہو جاتا ہے۔ پڑوسی جو ہمیشہ انسان کے کردار پر انگلیاں اٹھاتے ہیں بڑھاپے کی بدولت انسان ان تمام الزامات سے بچ جاتا ہے۔ بلکہ "کراماً کاتبین" کو بھی بوڑھے انسان کی نیک نیتی پر یقین ہو تا ہے۔ جوانی میں میاں بیوی کے تعلقات دوسرے لوگوں کی وجہ سے متاثر ہوتے ہیں لیکن بڑھاپے میں یہ تعلقات کی بھی راہ پر چل ر ب کلہ یے ہیں۔ غرض وہ بڑھاپے جیسے ناخوشگوار دور کو بھی اپنے انداز سے خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ قاری بڑھاپے کے افادی پہلوؤں پر غور کر کے زندہ دلی کے ساتھ زندگی گزارنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

مشتاق قمر اپنے انشائیے "لونا نہم" میں چاند پر قدم رکھنے اور اپنے دوست کی سفر نامہ لکھنے کی روداد کو اس طرح قلمبند کرتے ہیں کہ قاری اس سے لطف اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً

> دورانِ تلاش جو باورچی خانہ کی طرف گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں میرا چھوٹا بیٹا(جس سے گذشتہ سالوں سے جان پہچان کا تلخ تجربہ ہے)ہاتھوں میں سفر نامہ اٹھائے عین آتشدان کے سامنے کچھ اس انداز سے کھڑا تھا جیسے کہہ رہا ہو بہت آ گے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں" میں نے دبے پاؤں جا کر سفر نامہ اس کے ہاتھ سے اُچک لیا۔ [20]

مذکورہ مثال میں ہر جملہ اپنے اندر دلچسپ معنی کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کے دوست نے ان کو اپنا تحریر کردہ سفر نامہ پڑھنے کے لئے ارسال کیا تھا اور وہ ان کے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ لگ گیا اور وہ اسے آتشدان میں ڈالنے کے لیے تیار تھا۔ انہوں نے اپنے چار سالہ بیٹے کی عمر کو اور اس کی شرارتوں کی داستان کو ایک ہی جملے میں سمیٹ دیا ہے "گذشتہ چار سالوں سے جان پہچان کا تلخ تجربہ" شرارتی بچے بہت سی چیزوں کو ضائع کر دیتے ہیں ان کی شرارتوں کے نتائج والدین کو بھگتنے پڑتے ہیں اسی بات کو انہوں نے مذکورہ مثال میں نہایت لطیف اور شگفتہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید انشائیے میں نجی زندگی کے عمل دخل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انشائیہ بھی ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس کا تمام تر مواد زندگی کے نجی تجربے سے حاصل کیا جاتا ہے۔" [21]

مشتاق قمر کے انشائیوں سے حاصل ہونے والی مسرت دل میں اتر جاتی ہے اور بہت دیر تک قاری کو سحر زدہ کیے رکھتی ہے۔ وہ معمولی شے میں پوشیدہ نئے معانی جب قاری کے سامنے لاتے ہیں تو قاری کے لبوں پر ایک معنی خیز تبسم نمودار ہو جاتا ہے۔ یہی تازگی، یہی تبسم مشتاق قمر کے انشائیوں کا حاصل ہے۔

ii۔ انکشاف ذات

مشتاق قمر کے انشائیوں سے ہمیں ان کی شخصیت کے اظہار کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ وہ واقعات و حادثات زمانہ کو جس نظر سے دیکھتے ہیں اس میں قاری کو بھی شریک کر لیتے ہیں ان کی شخصیت کے اثرات ان کے انشائیوں کو ایک مخصوص مزاج عطا کرتے ہیں قاری ان کے انشائیوں کے مطالعے سے ان کے باطن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ وہ اپنی فکری بصیرت سے کام لے کر عام اشیا اور روز مرہ عادات و معمولات کے انوکھے پہلو قاری کے سامنے لاتے ہیں اور اسے ہم خیال بنا لیتے ہیں قاری غیر محسوس انداز سے ان کے مشاہدات اور تجربات میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ان کے انشائیے "چھڑی" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ لاٹھی اور چھڑی دو مختلف چیزیں ہیں لاٹھی سے جذبۂ دشمنی کو تقویت ملتی ہے جبکہ چھڑی سے صبر و برداشت کا مادہ پیدا ہوتا ہے انسان کی سوچوں کے لئے چھڑی مہمیز کا کام کرتی ہے۔ چھڑی ہاتھ میں لیتے ہی وہ کیا محسوس کرتے ہیں۔

> "چھڑی ہاتھ میں لیتے ہی مجھے اپنے اندر ایک عجیب سے جذبۂ افتخار کی کلبلاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں اپنے آپکو سب سے الگ تھلگ اور جدا ایک اونچے سنگھاسن پر کھڑا پاتا ہوں اور کوئی شے مجھے ایک زور دار تقریر کرنے پر اکسانے لگتی ہے۔ (اکثر اوقات میں ایک زور دار تقریر جھاڑ بھی دیتا ہوں)۔" [22]

مصنف کی رائے میں چھڑی انسان کی خارجی شخصیت کی خوشنمائی میں اضافہ کرتی ہے وہ ذکی اور فہیم دکھائی دینے لگتا ہے چھڑی کی موجودگی میں انسان فضول کاموں کا ارتکاب کرنے سے بچ جاتا ہے۔

مشتاق قمر کی تخلیق میں ان کے تجربات کا نچوڑ پایا جاتا ہے۔ جذبے اور احساس کے خلوص سے مزین اسلوب میں شخصیت کا حسن گھل مل جاتا ہے۔ وہ اپنی تخلیقات میں غیر ارادی طور پر اپنی ذات کو بے نقاب کر دیتے ہیں زندگی نے ان کو جو سکھایا ہے ان کے انشائیے اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور وہ پورے خلوص کے ساتھ قاری تک اپنے خیال کو منتقل کر دیتے ہیں۔ اپنے ایک انشائیے "تبدیلی نام" میں لکھتے ہیں۔

"دوستی دشمنی کے لیے میں نے ایک آسان سا اصول وضع کرر کھا ہے کہ اگر کسی سے دشمنی رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو اس سے دوستی پیدا کرلو۔ دلاور خان کے ساتھ میری دوستی کی بنیادی وجہ بھی اسی خود ساختہ فارمولے کا نتیجہ ہے۔" [23]

مصنف دلاور خان کی خوفناک شخصیت کی وجہ سے اس سے دشمنی نہیں مول لے سکتے اس لئے اس سے دوستی کر لیتے ہیں۔

مصنف نے زندگی گزارنے کے لئے جو اصول مقرر کرر کھا ہے وہ بہت بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اپنے قاری تک پہنچا دیا۔ ان کے خیال میں نام در حقیقت حادثات و واقعات کی علامتیں ہیں ناموں کی اہمیت نہیں ہے بلکہ ان واقعات کی اہمیت ہے جو ان ناموں سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے دوست "دلاور خان" نے اپنا نام تبدیل کر کے دلبر خان رکھ لیا۔ لیکن نام کی تبدیلی سے اس کی خوفناک شخصیت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔ اسی لئے مصنف کا خیال ہے کہ نام رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ پکارنے کے لئے خاندانی لاحقے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ نام کسی معاشرے کے ٹھہر جانے کی نشانی ہے جبکہ خاندانی لاحقہ متحرک معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک گمنام اشیاء میں بہت حسن اور کشش ہوتی ہے۔

زندگی کی تلخ حقیقتیں انسان کی بہت سی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچنے نہیں دیتیں۔ مصنف بھی اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں آگہی کی اس منزل نے انہیں ایک انوکھا طریقہ سجھایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کسی بھی

خواہش کو تصور کی دنیا میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ حقیقت کی دنیا سے ان کا تعلق نہیں جوڑنا چاہئے تصور کی دنیا میں انسان پوری دنیا کی سیر کر سکتا ہے اور ان تمام امور کو سر انجام دے سکتا ہے جو حقیقی زندگی میں ممکن نہیں ہوتے۔ تصور کی اسی افادیت کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"سوچنا، سوچنا، سوچتے جانا اور پہروں تصور کی دنیا میں آزادی سے گھومنا پھرنا میرا ہی غم نہیں ہم سب کا محبوب مشغلہ ہے۔ البتہ سب سے پہلے اس کا احساس دلانے کا فخر اس حقیر کو حاصل ہو رہا ہے۔" 24

مصنف کا خیال ہے کہ تصور سے مستفید ہو کر ہی ہم ذہنی قوت سے کام لے کر ہم ان امور کی انجام دہی کر سکتے ہیں جو حقیقی زندگی میں ہمارے لئے ممکن نہیں ہوتے۔ اگر ہماری جیب خالی بھی ہے تو جب تک یہ قوت ہم میں موجود ہے ہمیں اپنا مستقبل تاریک نظر نہیں آئے گا۔ جبکہ جن لوگوں نے تصور کو حقیقت بنانے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہمیشہ متفکر اور پریشان ہی رہے ہیں۔ ذہنی خلفشار کی وجہ سے بہت سے سماجی مسائل جنم لیتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل سے نجات کا حل تصور کے حسن میں پنہاں ہے۔

مصنف کے ذہن میں ایک نہایت عمدہ مکان بنانے کا تصور جنم لے رہا ہے۔ سات کنال کے اس مکان میں ان کا ارادہ چھے کمرے بنانے کا ہے۔ اپنے انشائیے "لونا نہم" میں کچھ یوں رقمطراز ہیں۔

"خود میرے ذہن میں ایک نہایت ہی عمدہ مکان کا تصور پرورش پا رہا ہے۔ اس مکان میں چھے کمرے ہوں گے (شاید اس سے بھی زیادہ ہوں) رقبہ سات کنال سے ایک انچ کم نہیں ہو گا۔ اس کا نقشہ میں نے ایران کے ایک نقشہ نویس سے فارسی میں تیار کروایا تھا۔" 25

مصنف نے اس مکان کو تصور کی دنیا میں تعمیر کیا ہے اس لئے وہ ہر روز اس میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں بیٹے کی فرمائش پر مکان میں تالاب بھی بنوا دیا اور پھر شام کو بیٹی کے کہنے پر اس میں رنگ برنگی مچھلیوں کا اضافہ کر دیا۔ بیگم نے تالاب کی مخالفت کی تو اسے فوراً ہی ختم کر دیا۔ غرض ہر روز اس مکان میں تبدیلیاں

ہوتی رہتی ہیں تصور کی دنیا کی اسی افادیت کے پیش نظر وہ مکان کو حقیقت کا روپ نہیں دینا چاہتے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر انہوں نے مکان کی تعمیر کا یہ مشکل مرحلہ طے کر لیا تو پھر وہ کبھی اس میں تبدیلی نہیں لا سکیں گے۔ مشتاق قمر کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی ذات کا اظہار کرتے ہوئے ایک عام سی بات کا ایک خاص پہلو پیش کر دیتے ہیں۔

مشتاق قمر کے انشائیے ان کی شخصیت کے دلفریب انعکاس کے غماز ہیں۔ ان کی ذات سے پھوٹنے والی سچائیاں اور ان سچائیوں کا داخلی رخ ان کے انشائیوں میں جابجا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے انشائیوں میں ان کی ذات کے مخفی گوشوں کا اظہار نہایت سادگی اور سیدھے سادے انداز میں ملتا ہے۔ ذات کے ابلاغ کی یہ جلترنگ قاری کو جذبات و احساسات کے مختلف رنگوں سے آشنا کرتی ہے۔ مثلاً اپنے ایک انشائیے "بھول جانا" میں وہ قاری کے دل کی آواز بن جاتے ہیں۔ "میری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ میں اپنے بچوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر آہیں نہیں دیکھ سکتا"۔[26]

اولاد ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے بچے جب کسی بات سے دلگرفتہ ہوتے ہیں یا انہیں کوئی چوٹ پہنچتی ہے تو والدین کا دل ان کے دکھ کو سہارنے میں ناکام ہو جاتا ہے اسی بات کو مصنف نے بہت عمدہ اسلوب میں قاری تک پہنچایا ہے اور اس کا حل بھی پیش کیا ہے کہ اگر ایسی کوئی صورتحال درپیش ہو تو اپنی توجہ کسی دوسرے مسئلے کی جانب کر لیں۔ اپنے ایک اور انشائیے "بال کٹوانا" میں وہ شخصیت کے حوالے سے بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ہر انسان کے اندر بیک وقت دو شخصیتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک شخصیت ماضی کی نمائندہ ہے اور دوسری کی حیثیت ایک ایسے نڈر ملاح کی سی ہے جو پُر آشوب وقت کے دھارے پر اپنی کشتی آگے ہی آگے بڑھائے چلا جاتا ہے۔" [27]

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ ہر انسان ماضی کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ ماضی سے کٹ کر وہ اپنی زندگی بسر نہیں کر

سکتا۔ ذہن کا ایک خانہ اسے ماضی کی طرف کھینچتا ہے جبکہ دوسرے خانے سے مستقبل کی فکر اُسے اپنی طرف بلاتی ہے اوراسے یہ باور کراتی ہے کہ اگر تم نے وقت کا ساتھ نہ دیا تو تم زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاؤ گے۔ ایک انسان میں بیک وقت یہ دو شخصیات ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور ان کے درمیان کشمکش کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ مصنف نے اپنے انشائیے "بال کٹوانا" میں بالوں کی تراش کو علامتی انداز میں ان دو شخصیات کا نمائندہ قرار دیا ہے اس طرح وہ اپنی شخصیت کو قاری کی شخصیت سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں اور قاری ان کے دلکش اسلوب میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ ممتاز حسین شخصیت کے اسلوب پر اثر کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اسلوب اس نقش کا نام ہے جو شخصیت تحریر میں چھوڑتی ہے۔" 28

ان کا انشائیہ "دھوپ کھانا" ذات کی طرف مراجعت کی بے حد عمدہ مثال ہے اس میں وہ دھوپ کی افادیت کو بیان کرتے ہوئے دھوپ کو مسرت کا منبع قرار دیتے ہیں۔ دھوپ میں لیٹنے اور نیم مدہوشی کی کیفیت میں انسان کو اپنی ذات کے بارے میں سوچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ عام زندگی میں انسان دوسروں کی ذات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن دھوپ کھانے کا عمل اسے اپنے باطن میں جھانکنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے دھوپ میں لیٹنے کا عمل بے حد مفید ہے۔ اسی طرح وہ اپنے ایک انشائیے "بیٹھنا" میں بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں: " 'بیٹھنا' سکون اور یکسوئی کی علامت ہے۔ اس لئے جب میں کسی کو بیٹھے ہوئے پاتا ہوں تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے کیوں کہ میرے نزدیک وہ اس وقت اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکا ہے۔" 29

مشتاق قمر کے نزدیک بیٹھ کر ہی تمام اہم امور سرانجام دیے جاسکتے ہیں اسی لئے بیٹھنے کی کیفیت میں ایسا سکون اور راحت ہے جو جسم کی کسی دوسری حالت میں نہیں ہے۔ منزل کا تصور بھی اسی لئے راحت آمیز ہے کہ منزل پر پہنچ کر انسان سکون سے بیٹھ جاتا ہے خوشی اور مسرت اس کے چہرے سے جھلکنے لگتی ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ دنیا کی تکلیف دہ زندگی کو بسر کرنے کے بعد آخرت میں ہم سکون سے دودھ اور شہد کی نہروں کے کنارے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی آخرت کی تمام راحتوں کے ساتھ ایک راحت بیٹھنا بھی ہے غرض

مشتاق قمر کے انشائیے ان کے شخصی رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں ان کی اسی خوبی کی تعریف ڈاکٹر انور سدید نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"اس کے انشائیوں کی تعداد نسبتاً کم ہے لیکن ان میں سے ہر ایک نہ صرف یہ کہ اس کی طرفہ شخصیت کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ انشائیوں کی صنف کو اردو ادب میں ایک باوقار مقام دلانے میں بھی معاونت کر رہا ہے۔" 30

مشتاق قمر کے انشائیے ان کی ذات سے پھوٹنے والی روشنی سے منور ہیں وہ اپنی شخصیت کو قاری کی شخصیت سے ہم آہنگ کر کے قاری کو بے پاں مسرت سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ قاری ان کے شگفتہ دلائل سے متاثر ہو کر ان سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اتفاق کرنے کی یہ مجبوری اس کی آزادی کو سلب نہیں کرتی بلکہ قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ آزاد ہے اور اپنی مرضی سے اس بات کو قبول یا رد کر سکتا ہے۔

iii۔ اختصار

انشائیے کی ایک خوبی اس کا اختصار بھی ہے انشائیہ نگار موضوع کے بہت سے پہلو زیر بحث نہیں لاتا بلکہ وہ صرف نئے پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے اسی وجہ سے انشائیے طویل نہیں ہوتے۔ مشتاق قمر کے بیشتر انشائیے اختصار کی خوبی سے مالا مال ہیں ان کے زیادہ تر انشائیے سات سے آٹھ صفحات پر محیط ہیں مثلاً بڑھاپا، دھوپ کھانا، کچھ نیند کی مذمت میں، چھڑی، بیٹھنا، آئس کریم کھانا، کوہ پیمائی وغیرہ ان کا طویل انشائیہ "لونا نہم" چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اختصار کی خوبی کو واضح کرنے کے لئے صفحات کی تعداد سے اندازہ لگایا جاتا ہے لیکن انشائیے میں یہ پیمانہ بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ مصنف اپنے خیال کی دنیا میں آزاد ہے۔ڈاکٹر انور سدید "مقدمہ" میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔" عام طور پر صفحات کی تعداد سے اختصار یا طوالت کی پیائش کی جاتی ہے لیکن بد قسمتی سے انشائیے کے باب میں یہ پیمانہ بھی کار آمد ثابت نہیں ہوا"۔ 31

مشتاق قمر کے انشائیوں میں یہی کیفیت ملتی ہے کہ ان کے انشائیوں میں غیر ضروری طوالت نہیں ہے۔ وہ جس موضوع کو چھیڑتے ہیں اس موضوع سے متعلقہ نئے نئے زاویے صفحۂ قرطاس کی نذر کرتے جاتے ہیں۔ کہیں بھی غیر متعلقہ نکتہ موضوع بحث نہیں بنتا۔ مثلاً ان کے انشائیے "چھڑی" میں انہوں نے چھڑی جیسی غیر اہم چیز کو بہت اہم بنا کر پیش کیا ہے ان کا خیال ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز سے نبرد آزما ہونے کے لئے چھڑی بہت کارآمد ہے۔ چھڑی درحقیقت ایک سہارا ہے۔ اس سے زندگی میں توازن قائم ہوتا ہے۔ خوشی و غم دونوں قسم کی جذباتی حالتوں میں جذبات میں توازن چھڑی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چھڑی کی بدولت انسان کی شخصیت فہیم اور ذہین دکھائی دیتی ہے۔ چھڑی کی بدولت انسان عالمانہ خصوصیات کا حامل بن جاتا ہے۔ چھڑی کی وجہ سے انسان کی خارجی اور داخلی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ چھڑی کی افادیت کو انہوں نے ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ قاری ان کے نکتہ نظر سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مشتاق قمر کے انشائیوں میں بے جا طوالت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے ہاں لفظوں اور جملوں کے انتخاب میں بھی انفرادیت دکھائی دیتی ہے جملے مختصر اور سادہ ہیں۔ پیچ دار جملے چونکہ انشائیے کے اختصار میں حارج ہوتے ہیں اس لئے وہ ان سے اغماض برتتے ہوئے سادگی کے ساتھ اپنی بات کو بیان کر دیتے ہیں۔ اپنے ایک انشائیے "بھول جانا" میں لکھتے ہیں۔

> "چند دن قبل ایک ایسا ہی واقعہ رونما ہوا۔ میرا بچہ خلافِ معمول روتا ہوا سکول سے واپس آگیا۔ میں نے حسبِ معمول کوئی وقت ضائع کئے بغیر اپنے اور بچے کے درمیان اخبار کی سدِ سکندری حائل کرتے ہوئے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔" 32

مشتاق قمر نے اپنے انشائیوں میں چنیدہ الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ لفظوں کی یہ سادگی قاری کو ابلاغ کی منازل تیزی سے طے کروا دیتی ہے۔ وہ اپنے تجربات کو جذبات و احساسات کی بھٹی میں پکا کر کچھ انوکھے نکات قاری تک پہنچاتے ہیں اس عمل میں ضروری اور غیر ضروری کی کاٹ چھانٹ سے بھی کام لیتے ہیں۔ شعور کی

وسعت اختصار نویسی میں ان کی معاونت کرتی ہے مذکورہ مثال میں بچے کے سکول سے روتے ہوئے آنے اور بچے کے رونے سے اپنی چشم پوشی کو انہوں نے نہایت سادگی اور اختصار سے تحریر کر دیا ہے۔ لفظوں کا انتخاب بھی ایسا ہے کہ کہیں ابہام کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور اختصار نویسی کی شرط بھی پوری ہو جاتی ہے۔

iv۔ عدم تکمیل

مشتاق قمر کے بہت سے انشائیوں میں عدم تکمیل کا احساس قاری کے اندر مزید جاننے کی خواہش کو ابھارتا ہے کیوں کہ ایسی بات جو مکمل کر دی گئی ہو وہ تسکین دیتی ہے لیکن ادھوری بات سوچ کو جگاتی ہے۔ انسانی تخیل کو متحرک کر دیتی ہے سوچنے پر آمادہ کرتی ہے وہ اپنے انشائیوں کو ایک خاص نہج پر لے جا کر ختم کر دیتے ہیں وہاں سے قاری کے تخیل کا ایک نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ قاری کی تخلیقی صلاحتیں پروان چڑھتی ہیں۔ انشائیے میں عدم تکمیل کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں: "بنیادی طور پر انشائیہ لکھنے والے کا مقصد آپکی سوچ بچار کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔" [33] انشائیہ نگار عدم تکمیل کی خوبی کو استعمال کر کے قاری کے لئے بہت سے اشارے چھوڑ دیتے ہیں جو قاری کی سوچوں کے لئے مہمیز کا کام کرتے ہیں۔ مشتاق قمر موضوع سے وابستہ باتوں کے علاوہ بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کر جاتے ہیں جن کا موضوع کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا لیکن قاری کے لئے سوچ کا در وا کر دیتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایک انشائیے "بڑھاپا" میں بڑھاپے کو نعمت بنا کر پیش کرتے ہیں بڑھاپے کے فوائد بتانے کے بعد اس کا اختتام کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "لیکن اس اصل اور منزہ زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آپ خارج کی طرح داخل پر بھی بڑھاپے کو مکمل طور پر مسلط کر لیں ورنہ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔" [34]

مذکورہ مثال میں وہ ہلکے پھلکے انداز میں انسانی نفسیات کو بیان کر کے قاری کو ایک سوچ مہیا کرتے ہیں

کہ انسان خود کو نہ بوڑھا کہلوانا چاہتا ہے اور نہ ہی بوڑھاد کھائی دینا چاہتا ہے۔ عمر رفتہ کو آواز دیتے ہوئے کبھی وہ سفید بالوں کو کالا کرتا ہے اور کبھی جوانوں جیسے لباس زیب تن کر کے خود کو جوان ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ قاری کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ بڑھاپے کے بیان کردہ فوائد سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خارج اور داخل دونوں پر بڑھاپا داخل کرلے ورنہ وہ بڑھاپے کی منزہ زندگی سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ ایک دوسرے انشائیے "اپالوٹریجڈی" میں اپالو کا ذکر کے اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ۱۹۶۷ء میں پیش آیا۔ ۱۹۶۷ء میں "اپالوون" (خلائی راکٹ) خلا میں گیا جس میں تین خلاباز سوار تھے تکنیکی خامیوں کی وجہ سے جلد ہی اپالوون میں موجود لوگوں کا رابطہ زمین سے منقطع ہو گیا۔ آخری آواز جو سنائی دی وہ شعلے (FLAME) کی تھی۔ اس کے بعد یہ راکٹ اپالوون تباہ ہو گیا۔ اس میں دو امریکی ایک کورین خلاباز بھی سوار تھے وہ تینوں بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ وہ اس اپالوٹریجڈی کو بہت خوبصورتی سے توہمات سے منسلک کرتے ہوئے انشائیے کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے ہیں:

> "میرے خیال میں اپالوٹریجڈی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے اس عظیم حادثہ کے دن جب میں ریڈیو پر خبریں سننے کے لئے ڈرائنگ روم کی طرف جارہا تھا تو میرا راستہ مانو نے کاٹ لیا تھا اور بدقسمتی سے مانو کا رنگ کالا ہے۔" [35]

مذکورہ انشائیے میں وہ توہمات کو بھی زندگی کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سائنسی ایجادات اگرچہ حقیقت ہیں اور توہمات سراب، لیکن سراب اور حقیقتوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قاری کو فکر کا ایک نیا زاویہ دیتے ہوئے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ جس طرح حادثات توہمات کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں بالکل اسی طرح سائنسی ایجادات بھی حادثات سے محفوظ نہیں رہ سکتیں اور اس کی مثال اپالوٹریجڈی ہے اور اس دن چونکہ کالی بلی نے میرا رستہ کاٹ لیا تھا اس لئے مجھے ایسی خبر سننے کو ملی۔ ڈاکٹر سید محمد حسنین انشائیے کو انشائیہ نگار کی ذہنی آزادی اور آوارہ خرامی کا مظہر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "اچھا اور کامیاب انشائیہ ذہن کا ایک شرارہ ہوتا ہے جس کی ہر چنگاری آزاد اور منتشر ہوتی

ہے۔"[36]

مشتاق قمر اپنے انشائیوں میں انسانی سوچ کو عام سطح سے بلند کر کے ایسے مقام تک لے جاتے ہیں جہاں وہ زندگی کا نیا رخ ملاحظہ کرتی ہے۔ قاری اشاروں اور کنایوں پر غور کر کے لطف اور حظ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تخیل کی وسعت سے بھی ہمکنار ہوتا ہے کسی شے کے انوکھے پہلو اور اشاراتی اسلوب دونوں مل کر قاری کو تشنہ اور نامکمل رہ جانے والے نکات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

v۔ غیر رسمی انداز

مشتاق قمر تحریر کے مروجہ اصولوں سے قطع نظر کرتے ہوئے غیر رسمی انداز اپناتے ہیں زندگی کے مقرر شدہ قواعد وضوابط سے انحراف کر کے ایک انوکھی بات کو سامنے لاتے ہیں وہ اشیا کے تاریک گوشوں کے روشن زاویے پیش کرتے ہیں ہم جن چیزوں کو ایک خاص زاویے سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں وہ اپنے غیر رسمی انداز سے ہمیں ایک نیا پہلو دکھاتے ہیں۔ در حقیقت ان کا یہ انداز ہمیں چیزوں کو لگے بندھے انداز سے دیکھنے کی بجائے ان کے اندرون میں جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے لئے وہ اسلوب اور خیال دونوں سے مدد لیتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر غیر رسمی انداز کو انشائیے کے لئے ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "انشائیہ کے اسلوب کے ساتھ ساتھ یہ غیر رسمی انداز انشائیہ کے اس طریق کار کے لئے بھی لازم ہے جسے بالعموم ذہن کی آزاد روی سے موسوم کیا جاتا ہے یعنی بات میں سے بات نکالنا اور بات بنانا۔" [37]

غیر رسمی انداز کی بدولت انشائیہ نگار ایک بات کو کئی مختلف انداز اور معنوں میں بیان کرتا ہے در حقیقت انشائیہ میں مصنف کو ذہنی آزادی حاصل ہوتی ہے انشائیے میں موجود لچک اور ڈھیلا پن انشائیہ نگار کی مدد کرتا ہے۔ مشتاق قمر اپنے انشائیوں میں قاری کو اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں ان کا احساس قاری کی حساسیت کے ساتھ مل کر ایک محبت بھرا پُر خلوص رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ مثلاً اپنے ایک انشائیے "کوہ پیمائی" میں لکھتے ہیں:

"اگر آپ کو میری طرح سوچ بچار کرنے کی عادت ہے تو یقیناً کبھی نہ کبھی آپ کے ذہن میں یہ خیال در آیا ہو گا کہ آخر انسان کیوں اچھے بھلے صاف ستھرے کپڑے اتار کر کوہ پیمائی کا جناتی لباس پہنے کئی کئی پونڈ وزنی آکسیجن کے تھیلے اٹھائے۔ بہ ہزار دقت پہاڑ کی چوٹی تک ہانپتا جائے اور اس سے کہیں زیادہ مصائب کا سامنا کرتے ہوئے واپس نشیب میں بھی آجائے! اگر آپ نے کبھی ان خطوط پر سوچا ہے تو مجھے پوری طرح اپنا ہمنوا سمجھیے۔" 38

مذکورہ مثال میں وہ کوہ پیمائی کو کارِ فضول قرار دیتے ہوئے قاری کو یہ باور کراتے ہیں کہ اگر نشیب میں واپس آنا ہی مقصود ہے تو پھر بھاری بھر کم لباس پہن کر اور آکسیجن کے بھاری تھیلے اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قاری ان کو اپنا دوست مان کر ان کے خیالات سے ایک یگانگت محسوس کرتا ہے اور ان سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پرویز بزمی، مشتاق قمر کے انشائیوں میں فکر و فن کے حسین امتزاج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مشتاق قمر کا انشائیہ انشائیے کے فنی معیاروں، فکر و نظر اور مزاح کے لطیف توازن سے عبارت ہے۔ موضوع کے چھپے ہوئے گوشوں کو مہارت سے دریافت کرنے میں انھیں کمال حاصل ہے۔" 39

ان کے اسلوب کا یہ انوکھا پن قاری کو ذہنی کشادگی عطا کرتا ہے اور تخیل کی وسعت کا موجب بنتا ہے۔ ان کے نزدیک کائنات میں موجود چھوٹی چھوٹی غیر اہم چیزیں بھی بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کو پوری کائنات بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے انشائیوں چھڑی، آئیس کریم کھانا، بڑھاپا میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

vi۔ فطرت نگاری

انسان کی جبلت فطرت کے حسین نظاروں سے لطف کشید کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ فطرت کے یہ حسین نظارے انسان کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ مشتاق قمر بھی فطرت کی دلکشی کے اسیر دکھائی دیتے ہیں اسی لئے ان کی فطرت پرستی کے حوالے سے انور سدید لکھتے ہیں:" فطرت پرستی مشتاق قمر کے انشائیوں کا غالب رجحان

ہے۔" [40] مشتاق قمر اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ انسان کی مصنوعی زندگی اس کو زندگی کی خوشیوں سے محروم کر رہی ہے انسانی ذہن افراتفری اور انتشار کا شکار ہو رہا ہے فطرت سے دوری طبیعت میں بے زاری، اور بے اطمینانی کا باعث بن رہی ہے۔ انسان فطرت پرستی کے ذریعے ہی اس مصنوعی زندگی کی دی ہوئی بے اطمینانی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لئے وہ قاری کو بار بار فطرت سے رجوع کرنے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔ اپنے ایک انشائیے "کچھ نیند کی مذمت میں" میں وہ قاری کو رات کے سحر انگیز لمحات سے لطف اٹھانے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "خود میری طرح (اگر آپ کے راستے میں بھی بعض مجبوریاں حائل ہوں تو) بستر پر تکیہ رکھ کر چپکے سے رات کے سناٹے میں کھو جایئے اور اپنے آپ کو ملگجی چاندنی کے وسیع تھال میں سرگوشیاں کرتی ہوئی لامحدود کائنات میں ضم کر دیجئے یہاں آپ کی ملاقات وقت کے اس انمول لمحے سے ہوگی جس میں تہ در تہ سکون و آتشی کی لازوال نعمتیں مضمر ہیں۔" [41]

مشتاق قمر کا خیال ہے کہ اگر آپ کائنات کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے لئے جسمانی طور پر کہیں جانے سے قاصر ہیں تو رات کو بستر پر لیٹ کر خاموش کائنات میں خود کو ضم کر لیں۔ رات کے اس وقت میں سکون و اطمینان کی دولت پوشیدہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بے خودی کی یہ کیفیت خود آگاہی پیدا کرتی ہے۔ رات کو فطرت ظاہری لبادہ اتار کر اصل روپ میں سامنے آتی ہے۔ چاند کسی کا انتظار کرتا نظر آتا ہے۔ ہر چیز محو انتظار ہے۔ لیکن کائنات کا یہ انتظار آپ کی آمد پر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہر شے انسان کی منتظر ہوتی ہے اور اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ رات کے ان سکون پرور اوقات سے مسرت حاصل کرنے کے لئے آپ کو نیند کی قربانی دینی ہوگی کیوں کہ نیند ایک بوجھل کیفیت کا نام ہے جبکہ فطرت گہما گہمی، خوشی اور مسرت کا نام ہے۔

مشتاق قمر کا انشائیہ "دھوپ کھانا" ان کی فطرت پرستی کی بہترین اور عمدہ مثال ہے۔ سورج کی گرم گرم شعاعیں جسم کو جس سکون اور راحت سے آشنا کرتی ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں اسی لئے وہ فرد کو

فطرت سے قریب کرنے کے لئے دھوپ کھانے کی ترغیب دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سورج زندگی اور حرارت کا مرکز ہے اگر ہم اس مرکز سے جدا ہو جائیں گے تو ہم زندگی اور حرارت سے یکسر محروم ہو جائیں گے اس لئے ہمیں سورج کی شعاؤں سے براہ راست مستفید ہونے کی ضرورت ہے دھوپ کھانے کے دوران وہ کسی دوسرے فرد کی موجودگی کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اس بارے میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔

> "سن باتھ" اور دھوپ کھانے، میں وہی فرق ہے جو مشرق و مغرب میں ہے بس یوں سمجھ لیجئے دھوپ کھاتے ہوئے کسی دوسرے خصوصاً جنس مخالف کی موجودگی اسے "دھوپ کھانے" کے درجہ سے گرا کر سن باتھ کے مقام پر لے آتی ہے کیوں کہ کسی دوسرے کی موجودگی میں اپنی ذات کی طرف مراجعت قریب قریب ناممکن ہے۔" [42]

زندگی کی لاتعداد مصروفیات میں سے وقت نکال کر اپنی ذات کو اہمیت دینا وہ ضروری قرار دیتے ہیں پر یہ سب اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم فطرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے فطرت کے نظاروں کے درمیان اکیلے رہیں اگر اس دوران بھی ہم کسی دوسرے انسان کے ساتھ وقت گزاریں گے تو دھوپ کھانے کی نعمت سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ دھوپ کھانے کا یہ مشغلہ انسان کو زندگی کے مسائل سے نبٹنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے اسے سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے انسان کی ذہنی صلاحیت اسی کی بدولت جلا پاتی ہے۔ وہ اپنے بہت سے انشائیوں میں انسان کو فطرت سے ہم آہنگ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی ذات کو پہچان سکے اور مقصدِ زندگی کو ہمیشہ یاد رکھے۔

vii۔ تنوع

مشتاق قمر کے انشائیے تنوع اور رنگارنگی کے حامل ہیں ان کے انشائیے اسلوب اور خیال دونوں حوالوں سے بوقلمونی کا مظہر ہیں۔ ان کے انشائیے اپنے منفرد اندازِ تحریر کی وجہ سے کبھی ایک مکالمے کا تاثر پیش کرتے ہیں اور کسی انشائیے پر افسانے کا گمان بھی گزرتا ہے ان کا انشائیہ " تبدیلیٔ نام" افسانوی انداز لئے

ہوئے ہے اس میں انہوں نے "دلاور خان" کے کردار کو پیش کیا ہے جو اپنا نام بدل کر دلبر خان رکھ لیتا ہے۔ اس انشائیے میں انہوں نے دلاور خان کی تبدیلیٔ نام کے عمل کو تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر تنقید کی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ نام کی جگہ خاندانی لاحقہ بھٹی، چوہدری، ملک وغیرہ بہتر رہتا ہے اور یہ ایک رواں دواں ترقی پذیر معاشرے کی نشانی ہے۔

مشتاق قمر نے اپنے مخصوص انشائیوں میں مکالمے کی تکنیک کا بہت عمدگی سے استعمال کیا ہے جس سے انشائیے کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا ہے اس ضمن میں ان کا انشائیہ "بڑھاپا" ناقابلِ فراموش ہے۔

> "یہ بڑھاپا (جسے میں اصلی اور فطری بڑھاپا کہوں گا) ماہ و سال کے پربت سے پھسلتا ہوا دور نیچے ڈھلوان میں دبے پاؤں آپ کو آلیتا ہے اور ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہتا ہے "امید ہے آپ نے مجھے پہچان لیا ہو گا" اس غیر مانوس سی آواز پر آپ جھنجھلا کر نہایت بے رحمی سے جواب دیتے ہیں دور ہو جا، اپنے سرد، مرجھائے ہوئے ہاتھ پرے ہٹا لے۔ میں تمہیں نہیں جانتا تم کون ہو۔ بہروپیا کہیں کا۔" [43]

مشتاق قمر قاری اور موضوع کے درمیان ایک مکالماتی کیفیت پیدا کر کے قاری کو اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں اپنے انشائیے بڑھاپے میں انہوں نے یہ احساس دلایا ہے کہ بڑھاپا وہ حقیقت ہے جس سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں۔ انسان جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسے تسلیم کرنے سے کتراتا ہے لیکن بڑھاپے سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔ اس کیفیت کو انہوں نے بہت دلچسپ اور شگفتہ انداز سے بیان کیا ہے ان کا خیال ہے کہ جب انسان بڑھاپے کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس کی افادیت اور فوائد اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان بہت سی مصیبتوں اور ملامتوں سے بچ جاتا ہے۔ اس کو بہت سی باتوں کی چھوٹ مل جاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کوئی بھی انسان بڑھاپے کی عمر کو جب پہنچتا ہے تو تب ہی وہ مکمل انسان کہلانے کا حق دار ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں انسان کی تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ زندگی کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مشتاق قمر کے اسلوب کی رنگارنگی ان کے حسنِ بیان میں اضافے کا باعث ہے۔ ڈاکٹر محی الدین

قادری زور اسلوب میں حسنِ بیان کی ترقی کے لیے تنوع کو ضروری خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں: "بہترین نہج زبان کی وہی ہے جس میں حسنِ بیاں نہ صرف قائم رہے بلکہ ترقی کرے۔ اس ترقی میں رنگارنگی اور تنوع کو شامل سمجھا جائے۔" 44

مشتاق قمر کے انشائیوں میں موضوعات کا تنوع بھی نظر آتا ہے۔ انہوں نے عام اور معمولی موضوعات پر بھی قلم فرسائی کی ہے اور اس کو ایسے انوکھے انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری ان کے بیان کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ مثلاً" آئس کریم کھانا" میں "آئس کریم" جسے کھانا سب ہی پسند کرتے ہیں آپ آئس کریم کھانے کی مذمت ایسے انداز میں کرتے ہیں کہ قاری آپ کے دلائل سے متاثر ہو کر اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ آئس کریم کھانا خوش ذوقی کی نشانی ہر گز نہیں ہے۔ اسی طرح" بال کٹوانا" میں بال کٹوانے کو مہذب ہونے کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے ان کا خیال ہے کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں مہذب نہیں ہیں کیوں کہ مردوں کی طرح ان کے بال نہیں جھڑتے۔ کبھی وہ نیند کی مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کہیں شہرت کی مخالفت، کہیں "بیٹھنا" ان کو سکون اور راحت کا مسکن محسوس ہوتا ہے اور کہیں "بھول جانا" ایک نعمت۔ موضوعات کی یہ رنگارنگی اسلوب کی دلکشی اور تنوع کے باعث ہی قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کتاب کے مقدمہ میں ان موضوعات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "نیند کی مذمت" سے لے کر "آئس کریم کھانا" تک اس کے ہاں موضوعات کا دل افروز تنوع ملتا ہے۔" 45

vii۔ زبان و بیاں

انشائیہ نگار کے لیے زبان و بیاں بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیوں کہ اس نے ناول، افسانہ یا ڈرامہ کی طرح واقعات اور کرداروں سے کام نہیں لینا ہوتا بلکہ اس کے لئے اہمیت لکھنے کے انداز اور زبان کی ہے۔ مشتاق قمر جب کسی عام اور غیر اہم موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو اس کے لئے وہ دلچسپ اسلوب اختیار کرتے ہیں ان کی نثر قاری کے ذہن و دل دونوں کو متاثر کرتی ہے اور جمالیاتی خوبیوں کی حامل ہے مشتاق قمر زبان پر پوری

قدرت رکھتے ہیں اسی لیے وہ اپنی بات کی تفہیم کے لئے خوبصورت تشبیہات و استعارات کو نہایت مؤثر انداز سے بیان کرتے ہیں تشبیہ اور استعارہ علمِ بیان کا ایک حربہ ہے جس کے ذریعے حقیقت کو مجاز کا روپ دیا جاتا ہے اس کا مقصد تفہیم میں آسانی ہے تشبیہ کی طاقت، ندرت اور تاثیر کا انحصار مصنف کی قوت مشاہدہ پر ہے جس قدر مشاہدہ بھرپور ہو گا اسی قدر مصنف کی قوت تخلیق چیزوں میں مشابہتیں تلاش کر سکے گی اسی قدر تشبیہیں جاندار ہوں گی۔ مشتاق قمر کی قوت مشاہدہ نے انہیں لطیف، انوکھی اور پُر تاثیر تشبیہات تخلیق کرنے پر آمادہ کیا جس سے جملوں کے حسن اور اثر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مثلاً "شہرت ایک ایسی چڑیا ہے جو آپ کے ہاتھ سے پھدک پھدک جاتی ہے لیکن گمنامی وہ پالتو بلی ہے جو آپ کے پہلو میں لمبی تان کر لیٹ جاتی ہے۔" 46

"یاد ایک ایسی سلگتی چنگاری ہے جس کے لئے شعلہ فشاں ہونا مقدر ہو چکا ہے"47

مذکورہ مثالوں میں مصنف نے شہرت کو چڑیا سے تشبیہ دی ہے اور وہ بھی ایسی چڑیا جو ہر لمحہ ہاتھ سے نکلنے کے لئے بے قرار رہتی ہے۔ شہرت کو دوام نہیں انسان شہرت کے حصول کے لئے سعی و کاوش کرتا رہتا ہے لیکن شہرت انسان کو اپنی ہوس میں مبتلا کر کے بے چین رکھتی ہے مشہور لوگوں کو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں شہرت کی چڑیا ان کے ہاتھ سے پھسل نہ جائے۔ مصنف نے نہایت عمدگی سے شہرت کی بے ثباتی کو بیان کیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف وہ گمنامی کو ایک ایسی پالتو بلی سے تشبیہ دیتے ہیں جو مرتے دم تک انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی اور لمبی تان کر انسان کے پہلو میں لیٹ جاتی ہے۔

دوسری مثال میں وہ یاد کو ایسی سلگتی چنگاری سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا مقدر آگ میں جل کر راکھ بن جانا ہوتا ہے۔ تکلیف دہ باتوں کی یادیں انسان کے دل میں آگ لگائے رکھتی ہیں اس آگ کو بجھانے کے لئے بھول جانے کی عادت کو اپنانا ہو گا جس کی بدولت انسان سکون و اطمینان اور صبر و قرار کی نعمت سے مستفید ہوتا ہے۔

علمِ بدیع کا استعمال تحریر کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ مشتاق قمر کے ہاں صنعتوں کا استعمال نہایت

بے تکلفی سے کیا گیا ہے کہیں بناوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ مصنف چونکہ بات سے بات پیدا کرنے کے فن سے آشنا ہیں اس لئے ایک خیال سے دوسرے خیال تک کے سفر کو جذباتی دلیل سے پیش کرتے ہیں شاعری میں اسے صنعتِ حسن تعلیل کہتے ہیں لیکن انشائیہ نگار اپنے انشائیوں میں جابجا اس کا استعمال کرتا ہے۔ مثلاً ”اس وقت آپ کو محسوس ہو گا گویا ستارے ایک عالمِ سوگوار میں ہاتھ مل رہے ہیں چاند کسی کے انتظار میں محوِ حیرت واستعجاب ہے۔" 48

متضاد کیفیات کے اظہار کے ذریعے بھی وہ قاری کو دو مختلف حالتوں کے موازنے کا موقع عطا کرتے ہیں۔ جس سے لفظی اور معنوی حسن پیدا ہو جاتا ہے مثلاً شہرت اور گمنامی، بھول جانا اور یاد رکھنا، بڑھاپا اور جوانی، اٹھنا اور بیٹھنا وغیرہ۔

تراکیب اور ثقیل الفاظ کا استعمال نثر کو بوجھل اور غیر مانوس بنا دیتا ہے لیکن مشتاق قمر نے بہت کم ثقیل الفاظ استعمال کیا ہے۔ جملے مختصر اور سادہ ہیں تراکیب بھی صوتی آہنگ سے لبریز ہیں مثلاً گریۂ ، جانفرا، مسرت وانبساط، محوِ حیرت واستعجاب، عروس حیات، جیسی تراکیب کو نہایت عمدگی سے استعمال کیا ہے۔

مشتاق قمر کے انشائیوں میں صیغہ واحد متکلم کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ منور عثمانی صیغہ واحد متکلم کو موضوع کی وضاحت کے لیے ایک کرشمہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اسلوب کا صحیح کرشمہ اور شخصیت کی جمالیات کا روشن اظہار اس نثر میں ہوتا ہے جس میں مصنف خود بولتا ہے اور صیغہ واحد متکلم یا غائب متکلم میں کسی موضوع کے اطراف کو پوری صراحت سے سامنے لانے کی سعی کرتا ہے۔" 49

مشتاق قمر صیغہ واحد متکلم کے ذریعے موضوع کی وضاحت بے حد خوبصورتی سے کرتے ہیں۔ صیغہ واحد متکلم کے استعمال سے قاری کی دلچسپی ماند نہیں پڑتی بلکہ بڑھ جاتی ہے کیوں کہ وہ اپنی شخصیت کے اظہار کے لئے ہر جگہ منفرد انداز اپناتے ہیں جس کی وجہ سے قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا بلکہ اسلوب کا تنوع اور دلکشی اس

کے شوق میں مزید اضافے کا سبب بنتی ہے۔

مشتاق قمر انشائیہ نگاری کا ایک اہم اور معتبر نام ہے۔ انہوں نے افسانے اور ناول بھی تحریر کیے لیکن ان کی غیر افسانوی نثر کے حوالے سے ان کے انشائیے ہی ان کی پہچان بنتے ہیں۔ وہ انشائیے کے مزاج کو سمجھ کر اس سے جمالیاتی تسکین حاصل کرتے ہیں ان کی یہ جمالیاتی تسکین قاری کی فکری لذت کو مہمیز عطا کرتی ہے۔ مشتاق قمر کے انشائیوں میں اسلوب کی تازگی کی بدولت ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ قاری کے ذہن اور دل کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ تحیر آمیز مسرت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ وہ اشیا کے غیر مانوس زاویے قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

انشائیہ نگاری بنیادی طور پر مغرب سے اردو میں درآمد کی ہوئی صنف ہے۔ اس سے پہلے اردو میں مضمون کی صنف متعارف تھی جس میں بعض اوقات ضرورت اور موضوع کی مناسبت سے انشائی اسلوب آ جاتا تھا۔ بعد ازاں جب اس اسلوب کی حامل نثر کو ایک الگ صنف کا درجہ دے کر اسے انشائیہ کہا گیا تو اس کے لکھنے والوں نے شعوری اور لاشعوری طور پر نثر میں ان عناصر کو اجاگر کرنے کی سعی کی۔ یوں ایجاز و اختصار، عدم تکمیل، شگفتہ نگاری، نکتہ آفرینی، بے ساختگی اور غیر رسمی انداز انشائیے کی بنیادی خوبیوں کے طور پر سامنے آئے۔ مشتاق قمر کے افسانوں میں انشائیے کی یہ تمام خوبیاں کسی نہ کسی صورت میں، کہیں زیادہ اور کہیں کم، ظاہر ہوئی ہیں۔ ان کے انشائیے ایک ایسے اسلوب کے ترجمان ہیں جس میں روانی کا تاثر نمایاں ہے۔

مشتاق قمر کے انشائیے پر مغربی انشائیے کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ انشائیے کی ایک بنیادی خوبی یہ ہے کہ بات سے یوں بات نکلتی جائے کہ پڑھنے والے کو احساس نہ ہو کہ لکھنے والا شعوری طور پر قاری کو کہیں کھینچ لے جانا چاہتا ہے۔ بلکہ اسے ایسا لگے کہ جو بات بھی کی گئی ہے یا وہ جس نتیجے یا تاثر تک پہنچا ہے یہ از خود موضوع کے تقاضے سے پھوٹا ہے۔ اس سے انشائیے میں بے ساختگی کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ مشتاق قمر کے انشائیے ایک آزادہ روی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور کسی طے شدہ منزل کی طرف سفر کرنے کے تاثر کی بجائے سیر کرنے کا سا تاثر پیدا کرتے ہیں جس میں قاری کسی قسم کے جبر یا دباؤ کا شکار نہیں ہوتا۔

مشتاق قمر کے انشائیوں میں ایک غیر رسمی انداز نمایاں ہے جس سے قاری کو مصنف کے ساتھ اپنائیت کا احساس پیدا کرنے کی سہولت ملتی ہے۔ ان کے انشائیے ایک ایسے مکالمے یا گفتگو جیسا تاثر پیدا کرتے ہیں جیسے بے تکلف دوستوں کی بات چیت ہوتی ہے جس میں کسی علمی رعب یا نمائش کا احساس موجود نہیں لہٰذا قاری ان کو پڑھتے ہوئے خود کو سہولت میں محسوس کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ انور سدید،ڈاکٹر،ہم جس کے مشتاق تھے مشمولہ مشتاق شناس،مرتبہ، محمد وسیم انجم،ڈاکٹر،انجم پبلشرز،،راولپنڈی،۲۰۱۸ء،ص ۱۸۲

2۔ ایضاً

3۔ مشتاق قمر،بال کٹوانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق،مکتبہ اردو زبان، سرگودھا،۱۹۷۰ء،ص ۴۳

4۔ مشتاق قمر، چھڑی مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۵۵

5۔ مشتاق قمر،"بیٹھنا مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۶۲

6۔ جمیل آذر، پروفیسر، انشائیہ اور انفرادی سوچ، نقش گر پبلی کیشنز،راولپنڈی،2004،ص47

7۔ مشتاق قمر،"تبدیلیٔ نام مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۸۷

8۔ مشتاق قمر،"کوہ پیمائی مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۹۵

9۔ مشتاق قمر،لونا نہم مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص99

10۔ مشتاق قمر، پروفیسر، ایک دن کا آدمی، مرتبہ، محمد وسیم انجم،ڈاکٹر،انجم پبلشرز کمال آباد۳،راولپنڈی، ۱۹۹۹ء،ص ۴۳

11۔ مشتاق قمر،"بڑھاپا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۲۲

12۔ مشتاق قمر،"اپالوٹریجڈی مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۱۳۹

13۔ مشتاق قمر،"کچھ نیند کی مذمت میں مشمولہ ہم ہیں مشتاق،ص ۱۴۵

14۔ مشتاق قمر، ”شہرت کی مخالفت میں مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۵۱

15۔ مشتاق قمر، مرزا غالب۔ زندگی کی ساتویں جہت مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۵۸

16۔ مشتاق قمر، ”بال کٹوانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص 47

17۔ مشتاق قمر، ”بال کٹوانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص40 تا41

18۔ انور سدید، ڈاکٹر بحوالہ ہم ہیں مشتاق، ص 30

19۔ مشتاق قمر، ”بڑھاپا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۲۱تا۱۲۲

20۔ مشتاق قمر، ”لونا نہم مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص 97

21۔ انور سدید، ڈاکٹر، ادب، عصری آگہی اور انشائیہ مشمولہ ادبی زاویے، مرتبہ: خالد اقبال یاسر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1984، ص124

22۔ مشتاق قمر، ”چھڑی مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۵۱

23۔ مشتاق قمر، ”تبدیلیٔ نام مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۸۰

24۔ مشتاق قمر، ہم ہیں مشتاق، ص 99 تا100

25۔ مشتاق قمر، لونا نہم مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۰۷

26۔ مشتاق قمر، ”بھول جانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۱۰

27۔ مشتاق قمر، ”بال کٹوانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۳۹

28۔ ممتاز حسین، ادب اور شعور، ادارہ نقدِ ادب، کراچی، 1992، ص25

29۔ مشتاق قمر، ”بیٹھنا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۶۳

30۔ انور سدید، ڈاکٹر، ”پہلا پتھر“ مشمولہ، مشتاق شناس، مرتبہ محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز کمال آباد ۳، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص ۲۰۵

31۔ انور سدید، پہلا پتھر، مشمولہ، ہم ہیں مشتاق، مشتاق قمر، ص ۲۲

32۔ مشتاق قمر، ”بھول جانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۱۰

33۔ وزیر آغا، انشائیہ کے خدوخال، لبرٹی آرٹ پریس، دریا گنج نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱

34۔ مشتاق قمر، ”بڑھاپا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۲۵

35۔ مشتاق قمر، ”اپالوٹریجڈی مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۳۹

36۔ سید محمد حسنین، ڈاکٹر، ادب کی ایک خاص صنف انشائیہ مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، مرتبہ: فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1989، ص134

37۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰۳

38۔ مشتاق قمر، ”کوہ پیمائی مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۸۹

39۔ پرویز بزمی، خوش کلام غلام جیلانی اصغر، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، 1970، ص86

40۔ انور سدید، مقدمہ (پہلا پتھر)، مشمولہ، ہم ہیں مشتاق، ص ۳۵

41۔ مشتاق قمر، ”کچھ نیند کی مذمت میں مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص 141 تا142

42۔ مشتاق قمر، ”دھوپ کھانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۷۸

43۔ مشتاق قمر، ”بڑھاپا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۲۰

44۔ محی الدین قادری زور، سید، ڈاکٹر، اردو کے اسالیبِ بیان، مکتبہ معین الادب، لاہور، 1962، ص119

45۔ انور سدید، مقدمہ (پہلا پتھر)، مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۳۵

46۔ مشتاق قمر، ”شہرت کی مخالفت میں مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۵۰

47۔ مشتاق قمر، ”بھول جانا مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۱۲

48۔ مشتاق قمر، ”کچھ نیند کی مذمت میں مشمولہ ہم ہیں مشتاق، ص ۱۴۲

49۔ منور عثمانی، مطالعہ اسلوب کے تقاضے، سانجھ، لاہور، 2017، ص31

باب سوم

مشتاق قمر کی افسانوی نثر کا اسلوب

الف: ''لہو اور مٹی'' اور '' معتوبِ شہر'' کا تعارف

مشتاق قمر نے اپنے تخلیقی سفر کی ابتدا افسانہ نگاری سے کی۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ '' لہو اور مٹی'' مئی ۱۹۶۶ء کو منظرِ عام پر آیا۔ چھ افسانوں پر مشتمل یہ مجموعہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے واقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز راہی اس حوالے سے رقمطراز ہیں: '' رزمیہ افسانوں پر مشتمل مجموعہ ''لہو اور مٹی'' ہماری سترہ روزہ جنگ کا آئینہ ہے اس میں ہماری روایات کے ساتھ ساتھ ایک فنکار کے پر خلوص جذبات بھی ہیں۔'' [1]

مشتاق قمر کے اس مجموعے میں افواجِ پاکستان کی دلیری اور بہادری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ۱۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مجموعے کا انتساب نسیم اختر اعظمی کے نام ہے۔ اس مجموعے کے تمام افسانے کہانی پن کے حامل ہیں مصنف نے افسانے کی روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے افسانے کے تمام لوازم پلاٹ، کردار، اسلوب، ماحول اور فضا آفرینی کا خیال رکھا ہے۔

مشتاق قمر کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''معتوبِ شہر''جون ۱۹۸۰ء میں اہلِ علم کے ذوق کی تسکین کا سامان بنا۔ تین حصوں میں منقسم کیے گئے اس مجموعے کی انفرادیت یہ ہے کہ ہر حصے کا ایک علامتی نام ہے پہلے حصے کا نام ''الف'' دوسرے کا ''ل'' اور تیسرے کا ''م'' رکھا گیا ہے۔ اس کا انتساب رعنا تقی کے نام ہے جس کی وضاحت وسیم انجم نے ان الفاظ میں کی ہے۔ ''مذکورہ مجموعے کو مشتاق قمر نے اپنی طالبہ رعنا تقی سے منسوب کیا ہے جنہوں نے اسے ترتیب دینے اور کتابت کی اغلاط کی نشاندہی کرنے میں ان کی معاونت فرمائی،'' [2]

مذکورہ مجموعے کا دیباچہ صدیق سالک صاحب نے تحریر کیا ہے اس مجموعے میں شامل افسانوں کا غالب رجحان علامت نگاری ہے۔ ہر علامت انسانی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے کی ترجمان ہے۔ وہ المیے جو

انسان کی ذات کی شکست کا باعث بنتے ہیں انہیں علامت کے ذریعے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی علامت کے استعمال کے بارے میں کہتی ہیں: "ادب میں سب سے بڑی تحریک Symbolism کی تھی۔ یہ تحریک ادب میں کسی نہ کسی صورت میں ابتدا سے موجود ہے اور آج تک چلی آرہی ہے۔" [3]

ب: مشتاق قمر کی افسانوی نثر کے اسلوبیاتی عناصر

i۔ علامتی انداز

علامت ایک ایسا نشان اور ایک ایسا اشارہ ہے جس سے معنی کے انوکھے امکانات سامنے آتے ہیں۔ معنی کی اس جھلملاتی کہکشاں سے قاری اپنے احساس اور تجربے کے مطابق مفہوم اخذ کرلیتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی فرماتے ہیں۔ "علامت افسانے کی جان ہے۔" [4] افسانے کی گہرائی ماپنے کے لئے افسانے میں علامت کے استعمال پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ علامت کے برتاؤ کا ایک منفرد سلیقہ مشتاق قمر کے افسانوں میں موجود ہے۔ ان کی علامتیں ان کے تجربات کی عکاس ہیں۔ معنی کی یہ رنگین دنیا انہوں نے اپنے ماحول اور گردو پیش میں موجود اشیا کو علامتیں بنا کر سجائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے ابہام کا شکار نہیں ہوتے بلکہ قاری بآسانی افسانہ فہمی کے عمل سے سرشار ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک افسانے "کنویں میں گرا ہوا آدمی" میں "کنویں" کی علامت مشکلات اور مصائب سے بھری ہوئی دنیا کے طور پر لی ہے۔ جس طرح کنویں میں گرا ہوا آدمی جب اپنی اصل سے رجوع کرتا ہے تو آزمائش سے نجات حاصل کرلیتا ہے بالکل اسی طرح انسان جب اللہ سے رجوع کرتا ہے تو زندگی کی معراج حاصل کرلیتا ہے۔ کنویں کا یخ بستہ پانی، مینڈکوں کی خوفناک آوازیں اور ان آوازوں کو سن کر نمودار ہونے والا سانپ درحقیقت مشکلات اور تکالیف کی ہولناک علامتیں ہیں جو اس دنیا میں انسان کا احاطہ کرلیتی ہیں اس سے نجات کے لئے بقول مشتاق قمر" اس کنویں میں گرتے ہی اس کی زبان نے پوری صدق دلی کے ساتھ اپنی ولدیت کا اقرار کرلیا تھا۔ اپنی پہچان کا منبع دریافت کرلیا تھا۔" [5]

عبدالکریم ولد کرم داد کا اپنی ولدیت کا اپنے نام کے ساتھ جوڑنا درحقیقت خاندان سے جڑنے کی علامت

ہے۔ انسان کی فلاح اپنے والدین اور ان سے وابستہ رشتوں سے جڑے رہنے میں ہے۔ افسانے کا تاثر اور گہرائی کسی لمحے ماند نہیں پڑتی ابتدا سے اختتام تک قاری افسانے کے تاثر سے نکل نہیں پاتا۔

"معتوب شہر" میں شامل دوسرا افسانہ "کنکریاں" میں "کنکریاں" وقت کی علامت کے طور پر ابھرتی ہیں فضل نامی دیہاتی جب شہر جارہا ہوتا ہے تو اس کی ماں اسے ۳۰ کنکریاں دیتی ہے تاکہ وہ کنکریوں کے ذریعے دنوں کا حساب رکھ سکے۔ فضل شہر اس لئے جاتا ہے کہ نوکری کر کے گاؤں میں پکا مکان بنائے اور چھوٹے بھائی کو اعلی تعلیم دلوائے۔ فضل اپنی کنکریوں والے ڈبے کی حفاظت تندہی سے کرتا ہے اس کے باوجود جب وہ گاؤں پہنچتا ہے تو اتنا وقت گزر چکا ہوتا ہے کہ اس کی ماں بوڑھی ضعیف ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی بیوی سائرا بھی بوڑھی ہو چکی ہے اس کا بھائی اعظم بھی موت کی نیند سو چکا ہے۔

اس افسانے میں مصنف نے سائراں کے لئے "خشک گوشت کا ڈھیر" کی علامت استعمال کی ہے جو نہ دیکھتی ہے اور نہ سنتی ہے اس میں ہمارے معاشرتی المیے کی طرف اشارہ ہے کہ لوگ کمانے کی غرض سے شہر یا بیرون ملک جاتے ہیں شہر کی تیز رفتار زندگی انہیں وقت سے بے گانہ کر دیتی ہے اور جب واپس آتے ہیں تو ان کی بیویاں ہر قسم کے جذبات واحساسات کو دفن کر چکی ہوتی ہیں۔ یہی کیفیت "سائراں" کی ہے اسی لئے اس کی ماں کہتی ہے " تم نے اس کے لئے چوڑیاں لانے میں بہت دیر کر دی بیٹا۔" [6] افسانے کے اختتام پر مصنف نے بتایا کہ کنکریوں کی بارش میں ہر چیز "چبائے ہوئے بھس" کی مانند ہو گئی فضل سرد مرمر کا ستون بن کر زندگی سے محروم ہو جاتا ہے۔ افسانے کے آخر میں "کنکریاں" عذابِ خداوندی کی علامت بن جاتی ہیں جس کی وجہ سے ہر چیز فنا ہو جاتی ہے مصنف نے قرآن پاک کی سورہ "الفیل" کے الفاظ کو علامتی طور پر استعمال کیا ہے۔ "دائرے کے اندر کنکریوں کی بارش میں ہر چیز چبائے ہوئے بھس کی مانند بڑی تیزی کے ساتھ بے چہرگی کے سانچے میں ڈھلنے لگی۔" [7]

افسانہ "تیسری سمت کی بات" میں تیسری سمت جوانی اور اس کے متعلقات کی علامت کے طور پر

ابھرتی ہے۔ یتیم احمد کی پرورش اس کے خالو نے کی۔ وہ جوان ہو کر بھی دو سمتوں میں سفر کرتا رہتا ہے۔ جاگتے ہوئے اپنے ہی کھیتوں میں ہل چلا کر خالو کے غلوں کو بھر دینا۔ رات کو تھک ہار کر سکون کی نیند سو جانا۔ وہ دن رات کی انہی دو سمتوں میں سفر کرتا رہتا ہے۔ شہر سے آئی ہوئی لڑکی شکیلہ اسے تیسری سمت کی طرف سفر کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ سب کو ان کے ناموں سے پکارتی ہے لیکن اسے صرف "اوئے" کہتی ہے لیکن جب وہ جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اٹھا کر کیچڑ میں پھینک دیتا ہے تو وہ اسے احمد حسن کہہ کر دھمکاتی ہے اس کے ساتھ ہی وہ اپنے خالو سے اپنی زمین الگ کرنے کا مطالبہ کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی شخصی پہچان کے ساتھ زندگی گزارے۔ افسانے میں تیسری سمت کی علامت کو نہایت حسن و خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ "پرانا قلعہ" علامت ہے چوہدریوں کے ظلم و ستم کے زوال اور شکست خوردگی کی۔ گاؤں کے چوہدری اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبا دیتے ہیں۔ ان کے ظلم و ستم کے سبب کھوپڑیوں کے مینار تعمیر ہوتے رہتے ہیں لیکن افسانے کا مرکزی کردار "وہ" ایک نوجوان ہے جو ذات کا مراثی ہے وہ "سائراں" سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن چوہدری اس کو اجازت نہیں دیتا۔ سائراں کے آنسو اسے مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ چوہدری سے دوبارہ درخواست کرے۔ اس عمل پر چوہدری اس کو مارنے کو لپکتا ہے اور وہ بھاگ نکلتا ہے جس پر چوہدری کو مزید غصہ آتا ہے اور وہ خالی ہاتھ ہی اس کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے۔ راستے میں وہ نوجوان ایک شکاری کی بندوق اٹھا کر بھاگ جاتا ہے اب دو لوگ اس کا پیچھا کر رہے ہوتے ہیں ایک چوہدری اور دوسرا شکاری۔ لیکن اس کے ساتھ ایک تیسرا بھی شامل ہو جاتا ہے جسے مصنف نے موٹا تازہ کتا کہا ہے۔ "کتے" کی علامت چوہدری کے حواری کے لئے استعمال کی ہے۔ "مسجد" کی علامت "ایمان کی مضبوطی" کو ظاہر کرتی ہے مسجد سے باہر آ کر وہ چوہدری کے سر پر رائفل مار دیتا ہے۔ چوہدری سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ وہ سائراں کو بھیج دے گا۔ شکاری اپنی رائفل لے کر چلا جاتا ہے اور کتا اپنی وفاداریاں بدل کر اس کا وفادار ہو جاتا اور چوہدری پر بھونکنے لگتا ہے۔

اس نوجوان نے حق کی خاطر آواز بلند کی اور یہ اس کا جرم نہیں تھا اسی لئے اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

اس علامتی افسانے میں مصنف نے دیہی معاشرے کے مصائب اور محرومیوں کو خوبصورت علامتوں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ صدیق سالک معتوبِ شہر کے دیباچے میں مشتاق قمر کی اس خوبی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> مشتاق قمر ہر جدید افسانہ نگار کی طرح "علامتوں" سے بھرپور کام لیتا ہے اس کی علامتوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ مفہوم کے لحاظ سے بانجھ نہیں ان کا استعمال افسانے کو مبہم یا کمزور بنانے کی بجائے اسے ابلاغ اور وسعت بخشتا ہے جسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ مشتاق قمر کی "علامتیں" دساور سے درآمد شدہ نہیں بلکہ اپنے ثقافتی ورثے کا حصہ ہیں۔" [8]

مشتاق قمر کی علامات تہذیبی اور ثقافتی ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی بھی ہیں۔ اپنی مٹی سے جڑی ہوئی یہ علامات قاری کے لئے اجنبی اور نامانوس نہیں۔ افسانہ "صورِ اسرافیل" میں "صورِ اسرافیل" کی علامت خبر کی تیز گردش کے حوالے سے استعمال ہوئی ہے پائلٹ کی گمشدگی کی خبر اس تیزی سے ملک کے قرب وجوار میں پھیلی جس طرح صورِ اسرافیل تیزی سے ہر جگہ پھیل جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ مصنف نے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے گھروں کا اچھا اخلاقی نظام مشکل حالات میں انسان کے اندر عزم اور حوصلہ پیدا کر دیتا ہے پائلٹ کے خاندانی نظام میں خودکشی کا سلسلہ پہلے سے موجود تھا اسی وجہ سے وہ حالات سے گھبرا کر خودکشی کر لیتا ہے۔ افسانہ "زیرِ سطح ایک سفر" مکمل علامتی افسانہ ہے۔ جس میں ناموں کی جگہ ا، ب، ج کے علامتی حروفِ تہجی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں بھی رشتوں کی بداخلاقیوں، بدصورتیوں اور بے انصافیوں کو پتھروں کی بارش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"بڑے سائز کے لوگ" میں مصنف نے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی فرمانبرداری کر کے اس کی غلامی کی زنجیر اپنے گلے میں ڈال کر اپنی زندگی کو اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بسر کرتے ہیں وہ "بڑے سائز کے لوگ" ہیں۔ جنہوں نے دوسرا راستہ چنا وہ بے معنی اور بے کار زندگی بسر کرتے رہتے ہیں مصنف کا کہنا ہے "تم سب کو ایک ہی منزل پر پہنچنا ہے سارا مسئلہ راستے کے انتخاب کا

ہے۔" 9

مصنف نے مختلف علامات کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ یہ منزل در حقیقت آخرت کی منزل ہے اس لئے درست راستے کا انتخاب ضروری ہے تا کہ مکمل آزادی مقدر بن سکے۔

افسانہ "جعلی آدمی" انسان کی خود غرضی، لالچ اور بد عنوانی کی علامت ہے۔ انسان پوری زندگی جرائم کی گھریوں میں اضافہ کرتا رہتا ہے کبھی انسانیت کی فلاح کے لئے کام نہیں کرتا۔ رشتوں سے وفاداری نہیں کرتا۔ مال جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے مال کو لوگوں پر خرچ نہیں کرتا اور آخر میں مجرم بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے ایسے شخص کے لئے مصنف نے "جعلی آدمی" کی علامت استعمال کی ہے۔

مشتاق قمر کا افسانہ "بیگیرہ وز" علامت ہے ان فوجی جوانوں کی ذہنی حالت کی جو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں گرفتار ہوئے۔ جن لوگوں کو کیمپ کے ہیڈ کوارٹر میں بلایا جاتا پھر وہ مڑ کر واپس نہیں آتے تھے بلکہ وہ "بیگیرہ وز" بن جاتے تھے۔ اس علامتی افسانے کا مرکزی کردار شیر دل زندہ واپس نہیں جاتا کیوں کہ شہادت ایک فوجی کا خواب ہوتی ہے۔ وہ ایک قیدی کی حیثیت سے وطن واپس جانا اپنے لئے ذلت سمجھتا ہے۔ اس افسانے میں علامتی انداز سے قومی یکجہتی کی بات بھی کی گئی ہے جس کو توڑنے کے لئے انڈیا نے ہمیشہ کوشش کی کہ ہمیں صوبائی تعصب میں مبتلا کر کے ہماری قومی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔

> "انڈین آدمی ہیڈ کوارٹرز نے سندھیوں، بلوچوں، پٹھانوں اور پنجابیوں کے علیحدہ علیحدہ کیمپ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ کیپٹن رام نے احکام سناتے ہوئے ثقافتی یونٹوں کی ضرورت اور اہمیت پر طویل تقریر کی لیکن شیر دل نے صاف صاف الفاظ میں نئی زبان اور نئی اصطلاحیں سیکھنے سے انکار کر دیا۔" 10

مذکورہ اقتباس میں شیر دل کیپٹن رام کے احکامات کی نفی کرتا ہے اور اسے مایوس واپس لوٹا دیتا ہے۔

مشتاق قمر دیہی زندگی کو علامتوں کے ذریعے بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں "بیرومیٹر" بھی ایسا ہی

ایک علامتی افسانہ ہے جس میں گاؤں کے چوہدریوں کی نفسیات پر علامتی انداز میں بات کی گئی ہے گاؤں کے چوہدریوں کو ایسے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو سوچنے سمجھنے کی قوت نہ رکھتے ہوں اور وہ انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر سکیں۔ طفیل بھی ایک ایسا ہی کردار ہے جو بعد میں چوہدری کی بیوی کی وجہ سے اچھا انسان بن جاتا ہے اور اس میں زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔

مشتاق قمر کا افسانہ "فلاں ابن فلاں" نوحہ ہے۔ عدالتی نظام کا جہاں بغیر کسی جرم کے موت کی سزا سنادی جاتی ہے افسانے کا مرکزی کردار غلطی سے کچہری سے گزرتا ہے اور اس کو مجرم ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ مشتاق قمر کہتے ہیں کہ معاشرے کی اس عدالت میں انسان کو بے گناہی کی سزا ملتی ہے۔

افسانہ " انصاف کا دن" مذہبی علامتوں کے حسن و دلکشی سے لبریز ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار بُرا آدمی ہے لیکن اس کے ظلم اور جبر کے سامنے کسی کو اس کے سامنے سچ بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی آخر اس کے ہاتھ پیر اس کی زیادتیوں کی داستان سنانے لگتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ آوازیں کوئی نہ سنے لیکن یہ آوازیں اس کو شدید اذیت میں مبتلا کر دیتی ہیں وہ ان سب لوگوں کو بلا کر ان سے معافی مانگتا ہے جن کو اس نے اذیتیں دی ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ وہ لوگ جو اس دنیا سے چلے جاتے ہیں ان سے معافی نہیں مانگی جاسکتی اسی لئے شمشیر خان کی زبان مرنے کے بعد بھی مرے ہوئے پاگل کتے کی زبان کی طرح باہر لٹک جاتی ہے مصنف نے شمشیر خان کے لئے مرے ہوئے پاگل کتے کی علامت استعمال کی ہے۔ مشتاق قمر اپنے علامتی افسانوں کے ذریعے سماجی برائیوں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں اور کرداروں کی باطنی کیفیات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ بقول اقبال آفاقی: "افسانہ اپنی اصل میں ایک طرح کا جہانِ اصغر ہوتا ہے جس کا پھیلاؤ محدود لیکن جس کی گہرائی سماج کے باطن کی خبر لاتی ہے۔" [11] مشتاق قمر نے بھی اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے میں موجود لوگوں کی باطنی منافقت کا پردہ چاک کیا ہے۔

"معتوبِ شہر" ایسا افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار نے زندگی کی بے معنویت کو علامتوں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ افسانے کا کردار "وہ" جب سویرے بیدار ہوتا ہے تو اس کے تمام رشتے اس سے دور جاچکے

ہوتے ہیں۔ اس کی بیوی اس کی ماں اور بہن اس کے مسلسل آواز دینے پر بھی باہر نہیں آتیں۔ "معتوب شہر" علامتوں کے ذریعے جو ماحول بنایا گیا ہے وہ قیامت کے منظر کو پیش کرتا ہے اس دن محبوب سے محبوب رشتہ آنکھیں پھیر لے گا انسان اپنے اعمال کی گٹھڑی اٹھائے بھاگ رہا ہو گا۔ ہر انسان دوسرے کی نیکیاں حاصل کرنے کی فکر میں ہو گا۔ افسانے کا مرکزی کردار دوڑتے ہوئے اپنی محبوب بیوی کو دیکھتا ہے۔

"وہ بھی زبان کے بل دوڑ رہی تھی اس کے سر پر بھی ایک بوجھل گٹھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ان کے درمیان طے پانے والے شادی کے انوکھے معاہدے کی تحریر کے الفاظ آہستہ آہستہ مٹ رہے تھے۔ پھر وہ سارے الفاظ مٹ گئے اور وہ پگڈنڈی کے ایک موڑ پر ایک دوسرے آدمی کے متوازی دوڑنے لگی۔" 12

مذکورہ افسانے میں جہاں قیامت کے مناظر کا علامتی بیان ہے وہاں اخلاقی قدروں کے زوال کی کہانی بھی سنائی گئی۔ اخلاقی قدروں کے زوال کے سبب دنیا کا ہر رشتہ بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے افسانے کے اختتام پر مصنف پر امید ہے کہ اسے اپنا اصلی اور حقیقی جسم مل جائے گا اور وہ اپنی ماں بہن اور بیوی کے ساتھ دوبارہ سے سچی زندگی کا آغاز کر سکے گا۔

"جلتے گھر کا گیت" افسانہ علامت ہے وطن کی۔ وطن کو آزمائشوں کی بھٹی میں اہلِ وطن نے ہی جھونکا ہے یہ افسانہ اس دور کے حالات کا عکاس ہے جس کے نتیجے میں ہمارے وطن کا ایک حصہ الگ ہو گیا تھا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ دشمن یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کو آگ انہوں نے لگائی ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ گھر یعنی وطن کو آگ لگانے میں وطن کے رہنے والوں کا ہاتھ ہے۔ حالات جتنے بھی خراب کیوں نہ ہو جائیں ہم اپنے وطن کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ حالات کی سنگینی نے ان کو افسانے لکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ "پھر میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنے لگتا ہوں اگر میں ایسا نہ کروں تو بھک سے اڑ جاؤں۔" 13

مذکورہ افسانے میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ مشکل حالات سے گھبرا کر میں افسانے تخلیق کرنے کا

کام کرتا ہوں افسانے کے اختتام پر وہ وطن کو ماں قرار دیتے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے اس کے بیٹے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ افسانے میں علامتیں مختلف روپ دھار کر قاری کے لطف اور فہم میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ شہزاد منظر علامات کی وسعت اور بو قلمونی کا ذکر کرتے ہیں اور ان علامات کے مفہوم تک رسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "قاری ان علامات اور بعض کلیدی الفاظ کے ذریعے مصنف کے مافی الضمیر تک پہنچتا ہے۔ تب اس پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ مصنف دراصل کیا کہنا چاہتا ہے۔" 14

مشتاق قمر کے افسانے "بے نام وقت کی کہانی" میں ایک علامتی اسرار اور بھید مضمر ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار جسے مشتاق قمر نے لفظ "اسے" کہہ کر متعارف کروایا ہے۔ زندگی کے دائرے سے نکلنا چاہتا ہے لیکن گھوم پھر کر شام کو پھر اسی دائرے کا حصہ بن جاتا ہے کائنات کی ہر چیز ایک مقررہ مدار میں گردش کر رہی ہے۔ غم اور خوشی بھی اسی دائرے میں موجود زندگی کا حصہ ہیں۔ مشتاق قمر اپنے مرکزی کردار کے ذریعے خوشی اور روشنی کی تلاش میں ہیں اپنی اس جدوجہد میں وہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ان جیسے اور بھی ہیں اس افسانے میں انہوں نے سورج کو روشنی اور خوشی کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔

افسانہ "بیتی رت کا خواب" مشتاق قمر کی داخلی کشمکش کا علامتی اظہار ہے وہ خواہشات کے لامتناہی سلسلے کی قید سے رہائی حاصل کرنا چاہتے ہیں زیادہ سے زیادہ پانے کی خواہش انسان کو ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس افسانے میں ایک بزرگ فقیر کو علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ فقیر دل میں خواہشات اور لالچ کو بسائے دَر دَر جاتا ہے۔ لوگ اسے بزرگ سمجھ کر اس کے سامنے اپنی خواہشوں کی گٹھریوں کو سجا دیتے ہیں جبکہ اس بزرگ کے دل میں بھی خواہشات کی چکی چل رہی ہے۔

> "تب انہیں پہاڑی کی چوٹی سے دھواں بن کر اٹھنے والی آواز سنائی دیتی۔ "تم سب لوبھی ہو۔ تمہارا لوبھ ہی تمہارا ناسور ہے۔ تم ناسور پال رہے ہو" یہی تمہاری سزا ہے۔ عذاب کی اس زنجیر میں تم اور تمہاری نسلیں جکڑی ہوئی ہیں۔ تمہاری دوا اس زنجیر سے رہائی ہے۔ لیکن آزادی تمہارا ذائقہ نہیں۔ آزادی کا انتخاب کرو۔ آزادی سب سے بڑی نعمت ہے۔ لوبھ کی قید سے رہائی اصل

آزادی ہے۔" [15]

مشتاق قمر خواہش کے اسیر کو اس قید سے آزاد کرنے کے متمنی ہیں لالچ اور بے نام خواہشات انسان کو چین نہیں لینے دیتیں۔ بہت سے موسم خواہشات کی تکمیل کی نذر ہو جاتے ہیں۔

مصنف نے خود کلامی کی تکنیک کو علامتی انداز سے افسانے "ہارے ہوئے شخص کی خود کلامی" میں استعمال کیا ہے۔ مصنف اپنے مقدر سے ہار جاتا ہے اور اس ہار کو تسلیم کر لیتا ہے سانپوں اور بچھوؤں نے اس کے گرد گھیرا تنگ کر لیا ہے۔ سانپ اور بچھو در حقیقت مشکلات اور مصائب کی علامتیں ہیں۔ مشعل اٹھائے ہوئے لڑکی امید کی علامت ہے، اور جب آخری لڑکی بھی آخری امید کی طرح اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو وہ اپنی ہار کو تسلیم کر لیتا ہے۔ ارشد محمود قاضی لکھتے ہیں "ان کے افسانوں میں تصاویر، "گٹھڑیوں" اور دوڑنے کے عمل کو بطور استعارہ "ماضی" "حال" اور مستقبل استعمال کیا ہے۔" [16]

محبت کی چاشنی سے لبریز "درخت سے لٹکا ہوا آدمی" "معتوب شہر" کا آخری علامتی افسانہ ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا فسانہ ہے جو پیر پھسلنے کی وجہ سے پہاڑی سے گرتے ہوئے درخت کو پکڑ لیتا ہے۔ کمزور درخت کی شاخیں ایسے چٹختی ہیں جیسے کوئی سسکی لے رہا ہو۔ اس افسانے میں دیہاتی لوگوں کی نفسیات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھتے ہیں تو اسے ہر قسم کے قرض سے رہائی دلا دیتے ہیں رانی جس سے وہ محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ کی گئی باتوں میں وہ شہری اور دیہی زندگی کا موازنہ بھی کرتا ہے۔ "لیکن گاؤں کی دھول اور شہر کی گرد میں بڑا فرق ہے۔ گاؤں کی دھول صرف چہروں پر اٹک جاتی ہے۔ شہروں کی گرد دامن میں اتر جاتی ہے۔" [17] لوگوں کا خلوص اور رانی کی محبت ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز ہونی کو نہیں ٹال سکتی اور وہ درخت کی شاخ ٹوٹنے سے چٹان پر گرتا ہے اور کھائی کا حصہ بن جاتا ہے۔ مصنف نے علامتی پیرائے میں بتایا ہے کہ موت اٹل ہے اور ایک واضح حقیقت ہے۔ موت کو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا چاہے اس سے بچنے کی کوئی لاکھ کوشش کرے موت سے فرار ممکن نہیں۔

مشتاق قمر کے افسانوں میں مذہبی، سماجی اور تہذیبی علامات کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ ان کی علامتیں زمینی روایات سے جڑی ہوئی ہیں اور ہمارے سماجی پس منظر کا حصہ ہیں چاہیے اس کا تعلق مذہب سے ہو یا سماج سے دونوں قسم کی علامات قاری کے فہم تک بآسانی رسائی حاصل کر لیتی ہیں۔

ii۔ کہانی پن

مشتاق قمر کے افسانوں میں کہانی پن اور علامتی انداز دونوں قسم کے رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے کہانی لکھنے کی ابتدا روایتی انداز سے کی۔ ان کے افسانوی مجموعے "لہو اور مٹی" کے افسانے کہانی پن کی چاشنی سے لبریز ہیں انہوں نے ان افسانوں میں عسکری روایات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فوجی نوجوانانِ وطن کی جرات، بہادری اور اپنے وطن سے محبت کے واقعات نے ان کو قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ موضوع کی یک رنگی کے باوجود کہانی کی بنت میں تنوع اور رنگا رنگی موجود ہے جو افسانے میں دلچسپی کے عنصر کو کبھی کم نہیں ہونے دیتی۔ شمس الرحمٰن فاروقی کہانی پن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کہانی پن اور دلچسپی ایک ہی شے ہیں۔" [18]

ان کے افسانوں میں کہانی میں موجود دلچسپی کی وجہ سے قاری اور افسانے کا فکری رابطہ برقرار رہتا ہے۔ افسانہ "وطن کا سپاہی" میں "نور محمد" فوجی جوان جب گاؤں واپس آتا ہے تو اس کی دوستی اور دشمنی کا دائرہ کار تبدیل ہو چکا ہوتا ہے اسے اپنے پرائے سب کی چیزوں کی حفاظت کرنی ہے کیوں کہ وہ اس وطن کا محافظ ہے اس کے لئے وہ لوگ پرائے ہیں جو اس وطن کے دشمن ہیں۔ یہ سے شادی کے سپنے سجا کر جب وہ سوتا ہے تو جھگڑے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ اس کے گھر والوں کا جھگڑا فضلو بابے کے گھر والوں سے ہو رہا ہوتا ہے وہ گھر والوں کو اس غیر ضروری لڑائی سے روکتا ہے تو اس کا باپ اسے بزدلی کا طعنہ دیتا ہے لیکن وہی نوجوان جب دشمن سے لڑائی کی خبر ریڈیو پر سنتا ہے تو تیار بارات کو چھوڑ کر محاذِ جنگ پر روانہ ہو جاتا ہے۔ مشتاق قمر نے اس سادہ سے افسانے میں وطن کی محبت کے ساتھ ساتھ، شادی کے لئے خوبصورتی اور بدصورتی

کے معیارات، شادی بیاہ کی غیر ضروری رسومات پر اصراف اور محبت کے پاکیزہ جذبات کو نہایت حسن وخوبی کے ساتھ افسانے کا حصہ بنادیا ہے۔

افسانہ "آواز" کی کہانی دو کرداروں میجر طارق اور خالد پر مشتمل ہے۔ میجر طارق شہید ہو چکا ہے لیکن اس کی آواز خالد کی بدستور رہنمائی کر رہی ہے اور اسے کسی محاذ پر کمزور نہیں ہونے دیتی۔ اس میں مصنف نے فلیش بیک کی تکنیک بھی استعمال کی ہے اور "آواز" کو آزادی کی علامت کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔

> "اور خالد کو یوں لگا جیسے وہ آوازوں کے سمندر میں گھر گیا ہے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے، بے شمار آوازیں ہوتی ہیں لیکن میدان جنگ میں یہ آوازیں ایک ٹھوس حقیقت، مجسم صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ خالد کو دنیا کے آخری کونے سے اٹھنے والی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ظالم کے قہقہے، مظلوم کی چیخ وپکار اور حق وآزادی پسندوں کے نعرے۔ ہاں۔ ساری دنیا ظلم وستم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ امن کی خاطر لڑ رہی ہے۔ میرے وطن کی آزادی دنیا کی آزادی ہے میں اس مورچے کو کبھی گرنے نہیں دوں گا۔" 19

مشتاق قمر نے اس افسانے میں سامراجی طبقے کی عیاری کا پردہ بھی فاش کیا ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے لوگوں کو جنگ کے جہنم میں دھکیلنے سے گریز نہیں کرتا۔ کہانی میں جنگ کی ہولناکیوں کے ازمنہ رضیہ، اور چندر کانتا کی صورت میں لطیف جذبات کے ننھے ننھے دیے جلتے نظر آتے ہیں جس سے افسانے کا تعلق داخلی دنیا کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور قاری اس داخلی دنیا کی بھول بھلیوں کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مشتاق قمر نے اپنے ایک افسانے "گلدستہ" میں بڑے خوبصورت انداز سے جنگ میں زخمی ہونے والے نوجوان اور گاؤں کے جھگڑے میں ٹانگ پر گولی کھانے والے نوجوان کے مابین موازنہ کیا ہے دونوں جوان فوجی ہیں دونوں کی ٹانگ زخمی ہوئی ہے "آزاد" کے آنے سے قبل اسلم بہادری کی علامت تھا لیکن جب

"آزاد" جنگ میں زخمی ہو کر اسپتال آتا ہے اور اس کے لئے اس کی محبوبہ "گلدستہ" لے کر آتی ہے تو تب اسلم کو احساس ہوتا ہے کہ ہیرو وہ نہیں بلکہ اصل ہیرو آزاد ہے۔ "اسلم" کہانی کا منفی کردار ہونے کے باوجود مرکزی کردار ہے کیوں کہ اسی کے جذبات و احساسات کے بیان نے کہانی کی دلچسپی کو برقرار رکھا ہے۔

"ہوا کے پاؤں" افسانہ بحری فوج کے کارناموں پر مشتمل ہے اس افسانے کا عنوان ہی بہت معنی خیز ہے ڈاکٹر اعجاز راہی اس کی اثر انگیز کہانی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "ہوا کے پاؤں" تاثر اور کہانی کے لحاظ سے سب افسانوں پر بھاری ہے۔" 20

اس افسانے میں معمر سکواڈرن لیڈر اپنے پائلٹ نوجوانوں کو کہانی سناتا ہے اور میز پر چائے کے کپ لگواتا ہے یہ درحقیقت ایک رات کی کہانی ہے اس رات میں کوئی پائلٹ چائے نہیں پی سکتا اور یکے بعد دیگرے ہر نوجوان وطن پر قربان ہو جاتا ہے۔ آخر میں سکواڈرن لیڈر بھی مشن کی تکمیل کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں حب الوطنی کے جذبات کی شدت دکھائی دیتی ہے وطن کے محافظوں کو وطن کی حفاظت ہر رشتے، ہر تعلق سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ افسانہ پاک فضائیہ کے نوجوانوں کے جذبات اور بہادری کی دلچسپ داستان ہے۔

مشتاق قمر کا ایک دلچسپ افسانہ "غنڈہ" ہے جس میں انہوں نے کلو کا کردار نہایت مہارت سے تخلیق کیا ہے۔ کلو گاؤں کا ایک بدصورت غنڈہ ہے گاؤں کی بہو بیٹیوں کی عزت اس سے محفوظ نہیں۔ عورتوں پر ہوس کی نظریں ڈالنے کے علاوہ اس نے کوئی خون خرابہ نہیں کیا لیکن گاؤں کے لوگوں نے اس سے جھوٹی کہانیاں منسوب کر کے اسے خوفناک بنا دیا ہے۔ گاؤں کی جی دار لڑکیاں بھی اس سے خوفزدہ رہتی ہیں۔ اسلم گاؤں کا ایک نوجوان ہے جو فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ اور جب واپس آتا ہے تو رضیہ کی عزت کے لئے کلو سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کلو بہت کوشش کرتا ہے کہ اسے ڈرا دھمکا کر بھگا دے لیکن جب وہ کلو پر حملہ کرنے لگتا ہے تو کلو بھاگ جاتا ہے۔ مصنف نے بہت خوبصورتی سے یہ احساس دلایا ہے کہ غنڈہ گردی کا تدارک جرات اور بہادری سے ہی ممکن ہے۔

افسانہ "لہو اور مٹی" میں لہو اور مٹی کی کہانی ہے کہ کسی طرح فوجی نوجوان اپنی جانوں کا نذرانہ اپنی مٹی کو پیش کرتے ہیں۔ قلتِ تعداد کے باوجود جنگی محاذ سے اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹاتے۔

مشتاق قمر کے افسانوں میں اگرچہ جنگی واقعات اور فوجی جوانوں کی کہانیاں ہیں لیکن ان کے ساتھ جڑے کرداروں اور واقعات نے ان افسانوں میں دلچسپی کے عنصر کو برقرار رکھا ہے۔ دیہاتی فضا، ماحول اور نسوانی کردار ان کے افسانوں کی جان ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز راہی لکھتے ہیں "انہوں نے ایک چابکدست افسانہ نگار کی طرح نکتہ عروج کو کسی طرح بھی کمزور نہیں ہونے دیا اور پوری طرح تمام افسانوں کے پلاٹ کو اپنی گرفت میں رکھا۔" 21

مشتاق قمر نے اپنے افسانوں میں کہانی کے تمام اجزائے ترکیبی کا خیال رکھا ہے اسی لئے ان کے افسانوں میں ہمیں کہانی اپنی پوری جزئیات، حسن اور دلکشی کے ساتھ براجمان دکھائی دیتی ہے۔

iii۔ زبان و بیان

مشتاق قمر کے افسانوں میں زبان و بیان کی دلکشی ان کی زندہ نثر کا خاص جوہر ہے۔ ان کے ابتدائی افسانوں نے روایتی کہانی پن کی آمیزش سے تخلیق کا جوہر حاصل کیا۔ اسی وجہ سے ان کے ان افسانوں میں ان کی زبان نے فطری سادگی کا روپ دھار رکھا تھا لیکن بعد ازاں جب ان کے افسانوں مدیں علامت کی رنگ آمیزی نے جگہ بنائی تو ان کے افسانوں کی زبان میں مزید نکھار آگیا۔ لفظ وہ آلہ ہے جس کی مدد سے ایک تخلیق کار اپنی تخلیق میں رنگ بھرتا ہے ان کے استعمال پر دسترس مصنف کی تخلیقی قدرت کا ثبوت ہے۔ راجا شکیل انجم ان کی لفظ شناسی اور جملوں کے ربط اور ترتیب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "وہ لفظ کو صحیح وقت اور صحیح جگہ پہ استعمال کرتے ہیں اور جملہ سازی و جملہ طرازی میں مہارتِ تامہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔" 22

مشتاق قمر کے جملے ان کی زباندانی کا بین ثبوت ہیں وہ چونکہ موضوع پر مکمل گرفت رکھتے ہیں اسی لئے عام طور پر ان کے جملے چھوٹے اور سادہ ہوتے ہیں لیکن جہاں انہوں نے فکری ضرورت کے تحت طویل جملے تخلیق

کیے اندازِ بیان کی اثر آفرینی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ افسانہ "بڑے سائز کے لوگ" کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

"قطار طویل تھی۔ بہت ہی طویل۔ اتنے بہت سارے لوگوں کو ایک افق سے بر آمد ہو کر دوسرے افق کو عبور کرتے دیکھ کر میرا پہلا تاثر ایک ایسے سراسیمہ شخص کا تھا جس نے ازل سے ابد تک پھیلے ہوئے دن کو ایک ہی نگاہ میں دیکھ لیا ہو اور اب سارا کا سارا آنکھ کی پتلی میں ڈھل کر دیوار کے سوراخ کے ساتھ چپک گیا ہو۔ دیوار کے اندر سویا ہوا آتش فشاں زوردار جھٹکے کے ساتھ بیدار ہو گیا۔" [23]

مذکورہ اقتباس میں مصنف نے دونوں قسم کے جملوں کو افسانے کی زینت بنایا ہے لیکن کہیں بھی بناوٹ کا احساس نہیں ہوتا: آرائشِ ترتیب سے مزین یہ فقرے قاری کی تفہیم میں رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتے۔ بلکہ افسانے میں موجود تخیل کی چاشنی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

مشتاق قمر نے اپنے افسانوی مجموعے "لہو اور مٹی" میں بہت جگہ فارسی زبان کی ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کیا ہے جو اس بات کا اظہار ہے کہ ان کو فارسی زبان سے بھی شغف رہا ہے۔ مثلاً "چاہ کن راہ چاہ در پیش"[24]، "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"۔[25]

محاورات زبان کی فصاحت میں اضافہ کرتے ہیں محاورات کے استعمال سے بہت کم لفظوں میں ایک طویل بات کو بیان کیا جا سکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ محاورے کی بندش عمدگی سے کی جائے کیوں کہ اگر محاورہ جا و بے جا اور غیر ضروری استعمال کیا جائے گا تو محاورے کی اہمیت ہی ختم ہو جائے گی اور نثر بھی فصاحت کے درجے سے گر جائے گی۔ مشتاق قمر نے محاورے کی بندش میں مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ درست اور بر محل محاورے استعمال کرتے ہیں۔ جس سے جملے کی وسعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ افسانہ "غنڈہ" میں "کلو" کے کردار کو اس طرح سے ظاہر کرتے ہیں "کلو خان سے الجھنا شیر کی کچھار میں سر دینے کے مترادف ہے۔" [26]

زیبی جو گاؤں کی نڈر لڑکی ہے۔ لیکن جب وہ کلو کا سامنا کرتی ہے تو خوفزدہ ہو جاتی ہے جس پر اس کے بھائی سخت غصے میں آجاتے ہیں لیکن وہ کلو کی غنڈہ گردی کے سبب اسے کچھ کہہ نہیں پاتے اس کے بھائیوں کی کیفیت کو مصنف نے چھوٹے سے جملے سے واضح کیا ہے۔ "زیبی کے بھائی پیچ و تاب کھا کر ہی رہ گئے"۔ 27

مشتاق قمر نے محاورے کو عمدگی سے استعمال کر کے زیبی کے بھائیوں کے احساسات کو چند لفظوں میں بیان کر دیا۔ بات کو مؤثر پیرائے میں بیان کرنے کے لئے مشتاق قمر تشبیہات اور استعارات کے استعمال سے ایک بھرپور منظر تخلیق کرتے ہیں قاری ان کی متحرک تشبیہات اور بھرپور علامات کے ذریعے ان کے افسانوں کی کیفیات اور مناظر کا حصہ بن جاتا ہے۔ "اسلم نے چت لیٹے ہوئے آنکھوں پر رومال ڈال لیا اور بستر ہی میں سکڑنے لگا گویا وہ کوئی عورت ہو اور غلطی سے اسے مردوں کے وارڈ میں بستر دے دیا گیا ہو۔" 28

افسانہ "گلدستہ" میں آزاد کے آجانے کے بعد اسلم جن جذبات و احساسات اور کیفیات سے دوچار ہوتا ہے اس کے لئے مصنف نے ایک بہت عمدہ انداز اور مشابہت تلاش کی ہے۔ کوئی بھی عورت مردانہ وارڈ میں پہنچ کر جس قسم کی کیفیت کا شکار ہو سکتی ہے اسلم کی بھی یہی کیفیت تھی وہ چاہتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہ دے۔ جذبے اور احساس کے تاثر کو تشبیہ نے شدید بنا دیا ہے۔

مشتاق قمر کے کچھ افسانوں میں دیہی ماحول کی عکاسی کے لئے پنجابی کے چند الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لیکن وہ اجنبی نہیں لگتے۔ "معتوبِ شہر" کے علامتی افسانوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال گاہے گاہے کیا ہے۔ دی ، مثلاًلیگیہ ط وز، پازیٹو، بیرومیٹر وغیرہ۔ تشبیہات و استعارات، محاورات، تراکیب اور علامتوں کے حسین امتزاج سے مشتاق قمر کا اسلوب ابھرتا ہے۔ وہ خیال کے لیے خوبصورت الفاظ کا جامہ بآسانی تیار کر لیتے ہیں۔ کہیں پر کمی یا کجی کا احساس نہیں ہوتا۔

iv۔ پیچیدگی اور ابہام

مشتاق قمر کے علامتی افسانوں میں فن کا فنکارانہ اظہار پایا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ علامتی

افسانوں میں ترسیل کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے افسانے میں پیچیدگی اور ابہام کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے بعض علامتی افسانوں میں کرداروں کی سوچ کے ذریعے افسانے کی کہانی کو علامتی انداز سے بیان کیا گیا ہے سوچ کے زاویے جس طرح بھٹکتے رہتے ہیں ان کے افسانوی کردار بھی ایسی ہی بے معنی سوچوں کا شکار رہتے ہیں۔ حقیقت اور خواب کی یہ کیفیت افسانے کو پیچیدہ اور گنجلک بنا دیتی ہے قاری کو افسانہ نگار کی اس داخلی کیفیت سے مفہوم کے موتی چننے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً "معتوبِ شہر" ان کا ایک عمدہ علامتی افسانہ ہے لیکن اس کا کردار "وہ" مسلسل اذیت، مصیبت اور جبر کا شکار نظر آتا ہے وہ شکنجے میں جکڑا جاتا ہے لیکن شکنجہ کہاں سے آیا اور اسے کیوں اس میں جکڑا گیا۔ اس کی بیوی جس سے وہ محبت کرتا ہے کیوں اس کے پاس نہیں رہتی۔ وہ اپنی ماں اور بہن کے بارے میں کہتا ہے "پھر اپنی ہی چیخوں کے سیلاب میں ڈوبنے سے پہلے اس نے دیکھا اس کی ماں اور بہن دونوں ایک دوسرے کا جسم نوچتی ہوئی اس کے قریب آئیں۔"[29]

ماں اور بیٹی کا رشتہ محبت اور مضبوطی کی علامت ہے ان دونوں کا ایک دوسرے کو نوچنا قاری کو حیرت اور تحیر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر ہر چیز زبان کے بل پر دوڑ رہی ہے جس میں اس کی بیوی اور اور وہ خود بھی شامل ہے۔ غرض پورے افسانے میں ایک عذاب کی کیفیت کا طلسمی ماحول تخلیق کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان کا ایک افسانہ "جلتے گھر کا گیت" ہے۔ اس افسانے کی فضا بھی مبہم ہے جس میں گھر میں موجود کمروں، تصویروں اور سایوں کا ذکر پر اسرار انداز میں کیا گیا ہے جس سے مفہوم اخذ کرنا آسان نہیں۔ افسانہ "بے نام وقت کی کہانی" میں مرکزی کردار سورج کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اُسے درست سمت کی تلاش ہے اور آخر میں وہ سائے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور سایہ روشنی میں بدل جاتا ہے۔ "بیتی رت کا خواب"، "ہارے ہوئے شخص کی خود کلامی" بھی کچھ سلجھے ہوئے اور کچھ الجھے ہوئے افسانے ہیں ان سب افسانوں میں مرکزی کردار مختلف قسم کی صورتحال سے دوچار ہوتا ہے وہ خود اور اس سے جڑے افراد لفظوں کی گھڑیاں اٹھائے مظلوم ہو کر بھی ظالموں کی بستی کی جانب سفر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے افسانوں کی علامتیں اور اشارے زمانے کے جبر انسان کی تنہائی اور اداسی، رشتوں کی بے وفائی اور کج روی کی داستان ہیں۔ ان کے

افسانوں کی بعض علامتوں کو سمجھنے کے لئے اجتماعی شعور کی ترقی بے حد ضروری ہے۔

v۔ تنوع

تکنیکی اعتبار سے مشتاق قمر نے افسانوں میں تنوع پیدا کیا ہے انہوں نے افسانوں میں تکنیک کے مختلف تجربات کیے ہیں انہوں نے بہت سے افسانوں میں واحد غائب کی تکنیک استعمال کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مکالمہ کی تکنیک سے بھی کام لیا ہے۔ ممتاز شیریں تکنیکوں کے امتزاج کے حوالے سے رقم طراز ہیں:
"افسانے میں دو قسم کی تکنیکوں کا امتزاج ہو جاتا ہے اور یہ ملی جلی تکنیک بذاتِ خود ایک الگ تکنیک بن جاتی ہے۔" 30

افسانہ "وطن کا سپاہی" میں ایک ایسے فرد کی زبان سے کہانی سنائی جا رہی ہے جو کہانی میں موجود نہیں ہے واحد غائب کی تکنیک اور مکالمے کی تکنیک کے امتزاج سے افسانے کی کہانی میں خوبصورتی پیدا کی گئی ہے اس کہانی کا مرکزی کردار نور محمد ہے جو ایک دیہاتی نوجوان ہے اور اب وطن کے دفاع کے لئے فوجی بن چکا ہے اور اسے اپنے وطن کا دفاع ہر شے سے زیادہ عزیز ہے کہانی مکالمے کے ذریعے آگے بڑھتی ہے اور منطقی انجام کو پہنچتی ہے۔ انہوں نے "گلدستہ" کی کہانی واحد غائب کی تکنیک کے ذریعے تخلیق کی ہے کہانی کے مرکزی کردار اسلم کی ذہنی کیفیت اس کے جذبات و احساسات کو بہت مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ "ہوا کے پاؤں" مکالمے کی تکنیک کی عمدہ مثال ہے۔ افسانے کی ابتدا ہی گفتگو کے ذریعے ہوتی ہے۔ سکاڈرن لیڈر اور پائلٹ افسران کو باہم گفتگو کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ سکاڈرن لیڈر اور پائلٹ افسران کی سوچ اور پیش آنے والے واقعات سب مکالموں کے ذریعے قاری تک پہنچتے ہیں۔ ان کا ایک افسانہ "ہارے ہوئے شخص کی خود کلامی" بھی مکالمے کی تکنیک کی عمدہ مثال ہے۔

واحد غائب کی تکنیک کے ذریعے مشتاق قمر اپنی ذات کو ماحول اور کرداروں سے الگ کر کے افسانے کی بنت کرتے ہیں ان کے بیشتر افسانوں میں اس تکنیک کا استعمال عمدگی سے کیا گیا ہے جن میں "غنڈہ"، "لہو

اور مٹی" ،"کنویں میں گرا ہوا آدمی" ، "پرانا قلعہ" ،"انصاف کا دن" ،"بیتی رت کا خواب" ،"فلاں ابن فلاں" ،"درخت سے لٹکا ہوا آدمی اور معتوبِ شہر شامل ہیں۔

مشتاق قمر کے افسانوں میں واحد متکلم کی تکنیک اور مکالمہ کی تکنیک کا ملاپ بھی ملتا ہے۔ وہ صیغہ واحد متکلم کا استعمال کرتے ہوئے افسانے کے کردار سے گفتگو کے ذریعے اپنے جذبات واحساسات اور اپنی باطنی کیفیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ "جعلی آدمی" اور "بڑے سائز کے لوگ" میں مصنف نے صیغہ واحد متکلم کے ذریعے اپنی موجودگی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ "میں نے کہا۔ تم نے انہیں عذاب میں کیوں مبتلا کر رکھا ہے؟" "یہ ان کا انتخاب ہے" وہ لاتعلقی سے بولا یہ لوگ زندگی سے عظیم بننا چاہتے ہیں۔" 31

مشتاق قمر کا افسانہ "آواز" مختلف تکنیکوں کا امتزاج ہے۔ اس میں انہوں نے فلیش بیک، مکالمہ، خود کلامی اور خط کی تکنیک کو شامل کیا ہے۔ مختلف تکنیکوں کے استعمال نے افسانے کی کہانی میں حسن پیدا کیا ہے۔

مشتاق قمر کے افسانوں میں کہیں دیہی ماحول پیش کیا گیا ہے اور کسی جگہ شہری زندگی کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ عسکری افسانوی میں میدانِ جنگ اور محاذ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

مشتاق قمر مختلف موضوعات کی پیش کش میں اسلوب کی انفرادیت کا مظاہر کرتے ہیں ان کے وہ افسانے جن میں فوجی جوانوں کے جذبۂ حریت کو ابھارا گیا ہے ان میں جوش اور جذبے کا زور دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح "معتوبِ شہر" کے علامتی افسانوں میں علامتوں کے استعمال سے انفرادیت پیدا کی ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے پند و نصیحت کا بیان کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

مشتاق قمر نے ہر قسم کے کردار تخلیق کیے ہیں وطن کی محبت سے سرشار کردار، غنڈہ گردی کرتے ہوئے کردار، ضمیر کی چبھن میں مبتلا کردار، بہادر نسوانی کردار، کمزور نسوانی کردار، ظالم کردار مظلوم کردار غرض ہر طبقے ہر گروہ کے کردار ان کے افسانوں میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی مشتاق قمر کے افسانوں کا جائزہ اس بات کا غماز ہے کہ مصنف کا فن تدریجی مراحل سے گزرتا رہا ہے۔ اس کا زبان و بیان بھی زمانے، عصر اور عمر کے تغیر کے ساتھ بدلتا رہا ہے۔ اس کے حالات اس کی ذہنی و جسمانی کیفیت، اس کے فن پر اثر انداز ہوتی رہی۔ مشتاق قمر نے ابتدا افسانہ نگاری سے کی لیکن ان کے ابتدائی دور کے افسانے ان کی نو عمری اور ذہنی تازگی کے غماز ہیں کیونکہ یہ سیدھی سادی کہانیاں ہیں جس میں جذبہ حب الوطنی ہے، محبت کے بے لوث اور پُر خلوص جذبات ہیں، اچھائی سے محبت اور برائی سے نفرت ہے۔ زبان بھی الجھنوں سے پاک ہے۔ محاورات، تشبیہ، استعارہ کے استعمال میں بھی سادگی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انھوں نے جب علامتی افسانے تحریر کیے تو زبان میں استعاریت اور رمزیت پیدا ہو گئی۔ زبان زندگی کی الجھنوں، پریشانیوں اور مصائب کا بیان بن گئی۔ رشتوں کی بے وفائیاں، کج ادائیاں ان کے افسانوں کا حصہ بن گئیں۔ اس کے لیے انھوں نے علامت سے کام لیا۔ جلتے گھر کا گیت انھوں نے گنگنایا لیکن مختلف انداز سے، زندگی سے ہار ان کے افسانوں کا حصہ بنی لیکن ساتھ ساتھ رجائیت اور امید بھی دامن تھامے رہی۔ "معتوبِ شہر" کے افسانے مصنف کی ذہنی کشمکش کے آئینہ دار ہیں۔ وہ کسی بھی طریقے سے زندگی کی ان الجھنوں سے نجات پانا چاہتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ ان کو اس بات کا احساس بھی ہے کہ ہر انسان اپنے اصل کی جانب سفر کر رہا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی حقیقت سے وہ آشنا ہو چکے ہیں۔ اسی لیے وہ ظالموں کی بستی میں رہ کر ظلم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ ذہنی کیفیت ان کو مذہب سے قریب کر رہی ہے۔ اسی وجہ سے وہ کنکریوں، صورِ اسرافیل، کھائے ہوئے بُھس، اور ہاتھ پاؤں کے بولنے کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اچھائی اور برائی کی تمیز علامتی افسانوں کا بھی حصہ بنی لیکن شعور کی سنجیدگی اور متانت بھی جھلکتی ہے۔ روایتی افسانوں میں کہانی پن کی چاشنی ہے۔ تکنیکی مہارتیں بھی موجود ہیں لیکن علامتی افسانوں میں کہانی علامتی انداز کے باعث کہیں کہیں ابہام کا شکار ہو جاتی ہے۔ جن افسانوں میں انھوں نے علامتوں کو اجتماعی شعور کے قریب رکھا ہے، وہاں ان کا فن بھی نکھر کر سامنے آیا ہے۔ دیہی زندگی سے ان کو محبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے افسانوی مجموعے "لہو اور مٹی" میں دیہی زندگی کی عکاسی نہایت محبت

کے ساتھ کی ہے۔ دیہاتی لوگوں کی سادگی، سچائی اور مٹی سے عشق کو بغیر کسی بناوٹ کے بیان کیا ہے۔ "معتوبِ شہر" میں یہ دیہی محبت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ انھوں نے علامتی انداز سے دیہی اور شہری زندگی کا موازنہ کیا ہے اور شہر کو مکر و فریب اور عجائبات کا منبع قرار دے دیا ہے جہاں رشتے اور اخلاقی قدریں زوال پذیر ہو رہی ہیں جبکہ دیہی زندگی کو خلوص، سچائی اور اخلاقی قدروں کی آماج گاہ قرار دیتے ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق دیہات سے ہے، اس لیے دیہاتی زندگی میں غالب اور حکمران طبقے چوہدری یا جاگیر دار کے ظلم اور زیادتیوں کا پردہ بھی بڑی مہارت سے چاک کیا ہے۔ جاگیر داروں کے ظالمانہ رویے کی مخالفت کرتے ہوئے وہ مظلوم کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ بھی دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر ظالم اور حق تلفی کرنے والا داخلی طور پر کمزور اور بزدل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ ان کے کردار معاشرتی اور عصری تغیر کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ "لہو اور مٹی" میں شامل کردار فوجی دیہاتی کردار ہیں جن پر حب الوطنی کا جذبہ غالب ہے۔ اس لیے وہ وطن کے کسی بھی شخص سے لڑائی کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کی جنگ دشمن سے ہے۔ اسی لیے وہ اس فوجی "اسلم" کو جو گاؤں کی لڑائی میں زخمی ہو کر ہسپتال میں پہنچتا ہے، کشمکش میں مبتلا دکھاتے ہیں۔ احساسِ کمتری کا جذبہ اس پر غالب ہے۔ "معتوبِ شہر" کے کردار بے ضمیری اور ذہنی پیچیدگی کا شکار تو ہوتے ہیں لیکن جلد ہی صحیح راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ مشتاق قمر کے روایتی افسانے، کہانی پن، حب الوطنی، دیہی زندگی کی مرقع نگاری، زبان و بیان کی سادگی اور سلاست کی عکاسی کرتے ہیں جبکہ ان کے علامتی افسانے رشتوں کے درمیان خلیج، ذہنی پیچیدگی، انتشار، عقلی اور جذباتی بیداری، شعور کی ترقی اور زبان و بیان میں علامتی سنجیدگی اور متانت کے غماز ہیں۔

حوالہ جات

1۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، "لہو اور مٹی" مشمولہ مشتاق شناس، مرتبہ: محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص ۱۳۳

2۔ وسیم انجم، ڈاکٹر، معتوب شہر۔ایک مطالعہ، مشمولہ: ایک دن کا آدمی، مشتاق قمر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 1999، ص ۵۱

3۔ فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ، لاہور، بار دوم 1999، ص 269

4۔ غلام الثقلین نقوی، پیش لفظ مشمولہ اردو افسانے کی کروٹیں از انور سدید، ڈاکٹر، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰

5۔ مشتاق قمر، کنویں میں گرا ہوا آدمی مشمولہ معتوب شہر، مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، ۱۹۸۰ء، ص 16

6۔ مشتاق قمر، کنکریاں مشمولہ معتوب شہر، ص 37

7۔ ایضاً، ص 38

8۔ صدیق سالک، دیباچہ، معتوب شہر، ص ۷-۸

9۔ مشتاق قمر، بڑے سائز کے لوگ مشمولہ معتوب شہر، ص ۹۵

10۔ مشتاق قمر، دی بگیج وز مشمولہ معتوب شہر، ص ۱۱۴

11۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، نیا افسانہ، تھیوری اور فن پر ایک نظر مشمولہ افسانے کے مباحث، مرتبہ: ایم اے فاروقی، بک ٹائم، کراچی، 2017، ص 585

12۔ مشتاق قمر، معتوب شہر، ص ۱۶۶

13۔ مشتاق قمر، جلتے گھر کا گیت مشمولہ معتوب شہر، ص173

14۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، پاکستان سٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، 1997، ص130

15۔ مشتاق قمر، بیتی رت کا خواب مشمولہ معتوب شہر، ص190 تا191

16۔ ارشد محمود قاضی، مشتاق قمر کی ادبی خدمات، انجم پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص۱۷۵

17۔ مشتاق قمر، درخت سے لٹکا ہوا آدمی مشمولہ معتوب شہر، ص۲۱۹

18۔ شمس الرحمٰن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، شہرزاد، کراچی، اشاعت چہارم، 2012، ص128

19۔ مشتاق قمر، آواز مشمولہ لہو اور مٹی، المزاح، راولپنڈی، ۱۹۶۶ء، ص۳۲

20۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، لہو اور مٹی مشمولہ مشتاق شناس، مرتبہ: محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص۱۳۵

21۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، لہو اور مٹی مشمولہ مشتاق شناس، مرتبہ: محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص۱۳۴

22۔ شکیل انجم، راجا، تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری مشمولہ مشتاق قمر کے ناول اور ڈراما کا خصوصی مطالعہ از جنید مظفر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2016، ص14

23۔ مشتاق قمر، بڑے سائز کے لوگ مشمولہ معتوب شہر، ص۸۹

24۔ مشتاق قمر، آواز مشمولہ لہو اور مٹی، ص۳۰

25۔ مشتاق قمر، آواز مشمولہ لہو اور مٹی، ص۱۰۸

26۔ مشتاق قمر، غنڈہ مشمولہ لہو اور مٹی، ص۸۶

27۔ مشتاق قمر، غنڈہ مشمولہ لہو اور مٹی، ص87

28۔ مشتاق قمر، گلدستہ مشمولہ لہو اور مٹی، ص۵۵

29۔ مشتاق قمر، معتوب شہر مشمولہ معتوب شہر، ص۱۵۹

30۔ ممتاز شیریں، ناول اور افسانہ میں تکنیک کا تنوع مشمولہ اردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011، ص33

31۔ مشتاق قمر، بڑے سائز کے لوگ مشمولہ معتوب شہر، ص۹۳

باب چہارم

تقابلی و مجموعی جائزہ اور سفارشات

الف: مشتاق قمر کی غیر افسانوی اور افسانوی نثر کے اسلوبیاتی عناصر کا تقابل

مشتاق قمر لفظ اور خیال کی دنیا کے ایسے مسافر ہیں جو افسانوی اور غیر افسانوی دونوں قسم کی ادبی نگارشات کے نمونے پیش کر چکے ہیں اور اہلِ نظر سے داد پا چکے ہیں۔ اسلوب کے لحاظ سے ان کے انشائیوں اور افسانوں میں کچھ اشتراکات اور افتراکات موجود ہیں۔

مشتاق قمر کے انشائیے شگفتگی اور زندہ دلی کی دل آویزی سے مزین ہیں۔ ان کے اسلوب کی برجستگی اور بے ساختگی ان کے انشائیوں کو وہ رنگ عطا کرتی ہے کہ قاری بے اختیار شروع سے آخر تک بغیر کسی دل کی تنگی کے انشائیہ پڑھتا چلا جاتا ہے اور جہاں جہاں لطیف مزاح اپنا اثر دکھاتا ہے، قاری اس سے لطف اٹھاتے ہوئے اختتام تک پہنچ جاتا ہے۔ لطیف مزاح سے حاصل ہونے والی یہ شگفتگی ان کے انشائیوں کا جزوِ خاص ہے جبکہ دوسری طرف ان کے علامتی افسانے ایک باوقار سنجیدگی کی خوبی سے متصف دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے علامتی افسانوں کا اسلوب فلسفیانہ اور مفکرانہ ہے۔ جن افسانوں میں علامت سے ہٹ کر روایتی انداز کی کہانی کو بیان کرتے ہیں، اس میں خاص طرح کی سادگی، صفائی اور روانی دکھائی دیتی ہے۔

انشائیہ نگاری کا ایک خاص جوہر عدم تکمیل کا احساس ہے۔ انشائیہ نگار بات کو مکمل کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ انشائیہ نگاری کے ذریعے وہ ایک موضوع کو گرفت میں لیتا ہے اور اسے ایک خاص نہج پر لا کر چھوڑ دیتا ہے۔ مشتاق قمر کے انشائیوں میں عدم تکمیل کا یہ وصف موجود ہے۔ وہ کسی بھی موضوع کا ایک اَن دیکھا پہلو پیش کرتے ہیں اور ایک خاص مقام پر لے جا کر انشائیے کا اختتام کر دیتے ہیں۔ کاملیت اور منطقی انجام ان کا مطمحِ نظر نہیں۔ اس کے برعکس مشتاق قمر کے افسانوں میں تکمیل کا احساس غالب ہے۔ ان کے افسانوں میں

پلاٹ، کردار اور کہانی کا منطقی انجام موجود ہے اور اس سے وہ کوئی نہ کوئی معنی خیز نتیجہ بر آمد کرتے ہیں۔ کہانی ایک خاص انداز سے شروع ہو کر ایک منطقی ترتیب کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اور ایک خاص انجام کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ ان کے انشائیے عدم تکمیل اور افسانے تکمیل کی خوبی سے عبارت ہیں۔

مشتاق قمر بحیثیت انشائیہ نگار کائنات کی معمولی اور عام اشیا کا مشاہدہ کرتے ہیں، پھر ان عام اشیا کا منفرد پہلو غیر رسمی انداز سے واضح کرتے ہیں۔ وہ اپنے مشاہدے سے حاصل کی ہوئی معلومات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں جس طرح سے وہ ان کے مشاہدے کا حصہ بنیں۔ اس کے لیے وہ کسی بناوٹ اور تکلف سے بھرپور اسلوب اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی ذہن میں پیدا ہونے والے ان سوالوں کے حتمی جوابات ڈھونڈتے ہیں بلکہ وہ بات سے بات پیدا کر کے قاری کی فکر اور سوچ کو آزاد رہنے دیتے ہیں۔ انشائیے کی یہ غیر رسمی فضا قاری کی دلچسپی اور شوق کو بڑھاتی ہے۔ افسانہ نگاری کے تقاضے کچھ اور ہیں جن کی پابندی مشتاق قمر کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔ افسانے میں صنف کے تقاضے کے پیش نظر ایک رسمی فضا موجود ہوتی ہے۔ اس میں غیر ضروری الفاظ سے گریز کیا جاتا ہے۔ حقائق اور تجربات افسانے کی فضا کو پروان چڑھاتے ہیں۔ خیالی باتوں کا عمل دخل کم ہوتا ہے۔ یہ تجربات واقعات کی صورت میں ایک ترتیب اور منطقی تسلسل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ مشتاق قمر کے افسانے بھی روایت اور رسم کی پاسداری کے امین ہیں۔

مشتاق قمر کے انشائیوں اور افسانوں کی زبان و بیان میں بھی کسی حد تک تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان کے ابتدائی دور کے افسانوں میں زبان اور بیان میں فطری سادگی موجود ہے اور کہیں کہیں فارسی زبان کا استعمال بھی نظر آتا ہے۔ لیکن ان کے وہ افسانے جن میں علامت کی کارفرمائی ہے، ان میں ان کی زبان پختہ اور ہموار ہے۔

تشبیہ، استعارہ اور علامت کے استعمال نے ان کے افسانوی اسلوب میں دلکشی اور سنجیدگی پیدا کر دی ہے۔ علامت نگاری کے رجحان کی بدولت ان کی زبان میں رمزیت پیدا ہو گئی ہے۔ علامتی افسانوں میں انگریزی زبان کے الفاظ بھی استعمال جیسے گئے ہیں میٹر، دی یگدیہ وز، پازیٹو، سیل وغیرہ۔ جبکہ دوسری

طرف ان کے انشائیوں کی زبان شگفتہ اور فرحت بخش ہے۔ لفظ اور خیال کے ملاپ سے ایک دلکش، نرم اور رواں اسلوب جنم لیتا ہے۔ لطیف مزاح کی آمیزش سے گندھا فرحت آمیز اسلوب ان کے انشائیوں کا جوہر ہے۔

علامت کے استعمال نے ان کے افسانوں میں کچھ جگہوں پر پیچیدگی کا عنصر پیدا کر دیا ہے۔ مثلاً ان کے افسانے "زیرِ سطح ایک سفر" میں انھوں نے کرداروں کے نام تک ا، ب، ج کو علامت بنا کر رکھے ہیں۔ افسانے میں اسی طرح وہ رشتوں کی ترتیب بھی بدلتے ہیں لیکن ان کے انشائیوں میں اس نوع کی پیچیدگی اور ابہام موجود نہیں ہے۔

تخلیق کار کی تخلیق غیر ارادی طور پر اس کی شخصیت کے اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ خاص طور پر انشائیہ انسان کی "میں" کو ظاہر کرتا ہے۔ مشتاق قمر کے انشائیے انکشافِ ذات کے عمل سے گزرتے ہیں۔ ان کے متعدد انشائیوں میں ان کی زندگی کی کسی نہ کسی سچائی کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً وہ اپنے ایک انشائیے "بھول جانا" میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ "لونا نہم" کے عنوان سے لکھے گئے انشائیے میں وہ ایک مکان بنانے کی حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ان کے افسانے انکشافِ ذات کے عمل سے نہیں گزرتے کیونکہ افسانے بناوٹ کے لحاظ سے انشائیے سے مختلف ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے علامتی افسانوں میں کہیں کہیں ان کی زندگی کے آخری برسوں کی ذہنی کشمکش کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً افسانہ "انصاف کا دن" انسان کی اصل زندگی کا بیان ہے جہاں کے لیے انسان کو تیاری کر لینی چاہیے۔ جب اس کے ہاتھ پاؤں خود اس کے گناہوں کا اعلان کرنے لگیں گے۔ دماغ میں موجود ٹیومر نے انھیں زندگی کی اصل حقیقت سے روشناس کروادیا تھا۔

مشتاق قمر کے افسانوں میں کہانی پن موجود ہے جس سے افسانوں میں دلچسپی اور افسانویت میں اضافہ ہو گیا ہے جبکہ انشائیوں میں کہانی پن موجود نہیں ہے۔ صرف "تبدیلیِ نام" ایسا انشائیہ ہے جس میں کسی حد تک افسانویت کے اثرات موجود ہیں۔

مشتاق قمر کے افسانوں کے کردار حقیقی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ خاص طور پر ان کے منفی کردار اپنا گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ مثلاً "غنڈہ" میں "کلو" کا کردار اور اس کی غنڈہ گردی، "گلدستہ" میں "اسلم" کا مرکزی کردار اور اس کی ذہنی کشمکش، افسانہ "کنوئیں میں گرا ہوا آدمی" کے مرکزی کردار عبدالکریم ولد کرم داد کی توبہ، افسانہ "تیسری سمت کی بات میں" میں احمد حسین اور شکیلہ کا کردار متاثر کن کردار ہیں۔ مشتاق قمر کے انشائیے کردار نگاری کے جوہر سے محروم ہیں کیونکہ انشائیے میں کردار نگاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اختصار انشائیہ اور افسانہ دونوں کے لیے ضروری ہے۔ مشتاق قمر افسانوں میں خاص طور پر ایجاز و اختصار کا کامل مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ مسئلے کو چھیڑ کر، علامتی اشارہ کر دیتے ہیں۔ قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال ہی مسئلے کا حل پیش کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ افسانہ "تیسری سمت کی بات میں"، "پرانا قلعہ"، "فلاں ابنِ فلاں"، "کنکریاں"، "معتوبِ شہر"، "بیرومیٹر"، ایسے ہی افسانے ہیں۔ مشتاق قمر نے بیشتر انشائیوں میں ایجاز و اختصار کی خوبی کو مدِنظر رکھا ہے لیکن کہیں کہیں بات طویل ہو جاتی ہے جو انشائیہ نگاری کے جوہر، اختصار کو کسی حد تک مجروح کرتی ہے۔

مشتاق قمر کے انشائیوں کا خاص وصف فطرت نگاری ہے۔ وہ انسان کو فطرت سے ہم آہنگ کرنے کے خواہش مند ہیں۔ فطرت سے ان کی یہ محبت ان کے افسانوں کے موضوعات اور منظر نگاری سے بھی جھلکتی ہے۔ ان کے زیادہ تر موضوعات دیہی زندگی سے اخذ شدہ ہیں۔ دیہات کے فطری ماحول اور مناظر کا بیان ان کے افسانوں کی دلکشی میں اضافہ کرتا ہے۔

مشتاق قمر کے افسانے تکنیکوں کی گوناگونی کے مظہر ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں مختلف تکنیکوں کے امتزاج کا تجربہ کیا ہے۔ مثلاً واحد غائب کی تکنیک کے ساتھ بیانیہ انداز اور مکالمہ نگاری کے ملاپ سے انھوں نے افسانوں کی ُببی کی ہے جس سے افسانے کی کہانی میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ حقیقت کے بے حد قریب محسوس ہوتی ہے۔ "صورِ اسرافیل"، "غنڈہ"، "وطن کا سپاہی"، "درخت سے لٹکا ہوا آدمی"، "کنکریاں"، "دی ، ٖ یگیہ ٖ وز" اسی انداز کے افسانے ہیں۔ ان کے افسانوں میں "واحد متکلم" کی تکنیک کا عمل

دخل بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ اس تکنیک کی خوبی یہ ہے کہ مصنف جب خود افسانے کا حصہ بنتا ہے تو افسانے کی سچائی، حقیقت کی حدوں کو چھونے لگتی ہے۔ ایسا افسانہ قاری کی دلچسپی میں اضافہ کرتا ہے۔ مثلاً اپنے ایک علامتی افسانہ "بڑے سائز کے لوگ" میں انھوں نے خود کو افسانے کا کردار بنایا ہے اور اپنے وسیلے سے کہانی بیان کی ہے جس سے افسانے کے تاثر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح ان کا افسانہ "جعلی آدمی" بھی واحد متکلم کی تکنیک کا مظہر ہے۔ افسانے میں جس انسان کو انھوں نے جعلی آدمی قرار دیا ہے، اس جعل سازی کا پول خود ہی کھول رہے ہیں۔

انشائیہ میں واحد متکلم کی تکنیک کا برتاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ انشائیہ تو ہے ہی انسان کی داخلی دنیا کا بیان۔ اس لیے ان کے انشائیے واحد متکلم کی تکنیک کا عمدہ مظہر ہیں۔ "چھڑی"، "بیٹھنا"، "آئس کریم کھانا"، "دھوپ کھانا"، "تبدیلیِ نام"، "لونا نہم"، "بھول جانا" اور "اپالو ٹریجڈی" ایسے انشائیے ہیں جن کی ابتدا ہی واحد متکلم سے ہوتی ہے۔

مشتاق قمر کے متعدد افسانوں میں مکالمہ نگاری کا وصف دکھائی دیتا ہے۔ کہانی کو پروان چڑھانے کے لیے انھوں نے مکالماتی تکنیک کا بہت عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً اپنے ایک افسانے "وطن کا سپاہی" میں انھوں نے نور محمد کار ِ ـ ِ ے کے ساتھ اختتامیہ مکالمہ بہت جذبات ابھارنے والا لکھا ہے۔ افسانہ "ہوا کے پاؤں" میں انھوں نے مکالمے کی تکنیک کو نہایت عمدگی سے افسانے کی تعمیر کا حصہ بنایا ہے۔ اس افسانے کا اختتام بھی بیرے اور سکواڈرن لیڈر کے مابین حب الوطنی کے جذبات کی نمائندگی کرنے والے مکالمے پر ہوتا ہے۔ افسانہ "ہارے ہوئے شخص کی خود کلامی" اگرچہ علامتی ہے، لیکن مکالمے کی تکنیک کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس میں مصنف نے خود کو ہارا ہوا شخص قرار دے کر اپنی ہی ذات کے ساتھ مکالمہ تحریر کیا ہے۔ مشتاق قمر نے مکالمے کی تکنیک کو انشائیوں میں بھی کہیں کہیں برتا ہے۔ خاص طور پر ان کے انشائیہ "بڑھاپا" میں ان کا بڑھاپے کے ساتھ مکالمہ انشائیے کی جان ہے۔

مجموعی طور پر مشتاق قمر کے انشائیوں اور افسانوں میں کچھ چیزیں مشترک ہیں اور کچھ میں افتراق

صورت حال پائی جاتی ہے۔ ان کے انشائیے شگفتگی، زندہ دلی اور مزاح کی لطیف کیفیت سے عبارت ہیں جبکہ ان کے افسانوں میں جہاں ایک طرف کہانی پن کی سادگی ہے، وہاں دوسری طرف علامتی سنجیدگی ان کے افسانوی اسلوب کا حصہ ہے۔ عدم تکمیل کی خوبی انشائیہ نگاری کا وصف ہے جو کہ مشتاق قمر کے انشائیوں میں بدرجہ اتم موجود ہے جبکہ ان کے روایتی افسانے منطقی انجام کے حامل ہیں۔ وہ اپنے انشائیوں میں غیر رسمی انداز سے بات سے بات پیدا کرتے ہیں لیکن ان کے افسانے، افسانوی حدود و قیود کے پابند ہیں۔ ان کے روایتی افسانوں میں زبان اور بیان کی سادگی موجود ہے۔ تشبیہ، استعارہ اور محاورے کے استعمال نے زبان میں رعنائی پیدا کر دی ہے۔ علامتی افسانوں میں علامت کے استعمال نے رمزیت اور اشاریت پیدا کر دی ہے جبکہ انشائیوں کی زبان لطیف اور فرحت آمیز اسلوب کو جنم دیتی ہے۔ انشائیے میں مصنف انکشافِ ذات کے عمل سے گزرتا ہے لیکن افسانے میں براہِ راست انکشافِ ذات ممکن نہیں البتہ کہیں کہیں زیریں لہروں کی صورت میں آخری دور کے افسانوں میں شخصیت کے انکشاف کا عمل دکھائی دیتا ہے۔ اختصار مشتاق قمر کے انشائیوں اور افسانوں کی مشترک خوبی ہے۔ فطرت سے محبت ان کی دونوں اصناف سے جھلکتی ہے۔ افسانوں میں انھوں نے بہت سی تکنیکوں کے امتزاج کا تجربہ کیا ہے۔ مکالمے اور واحد متکلم کی تکنیک ان کے افسانوں کی خاص خوبی ہے جبکہ واحد متکلم کی تکنیک ان کے انشائیوں کا حسن ہے۔

ب: نتائج

اس تحقیق سے مجموعی طور پر سامنے آنے والے حقائق کو درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

1۔ مشتاق قمر کے انشائیوں کے مطالعے سے ان کے اسلوب کی جو جہات واضح ہوتی ہیں، ان میں نمایاں تر شگفتگی ہے۔ ناقدین کے خیال میں ان کے ہاں شگفتگی یا مزاح کی مقدار

قدرے زیادہ ہے، لیکن ان کے انشائیوں کے بالاستیعاب مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ انھوں نے شگفتہ نگاری میں ایک متوازن رویہ اختیار کیا ہے۔

2۔ مشتاق قمر کے انشائیوں کا دوسرا نمایاں وصف انکشافِ ذات ہے۔ یوں تو انکشافِ ذات عمومی طور پر انشائیے کی خوبی ہے لیکن مشتاق قمر کے ہاں خاص طور پر اپنی شخصیت کے مخفی پہلوؤں کے خود ان پر منکشف ہونے کی صورتیں نمایاں ہیں۔ اس انکشاف کو کبھی انھوں نے خود اپنے مشاہدے سے اور کبھی دیگر افرادِ معاشرہ کے تناظر میں دریافت کیا ہے۔

3۔ مشتاق قمر کے انشائیوں کا ایک بڑا امتیاز ان کے ہاں نمایاں طور پر فطرت نگاری کا رجحان ہے۔ ان کی پرورش دیہی ماحول میں ہوئی اور ان کو فطرت کو اس کے متنوع رنگوں کے ساتھ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ مشاہدہ اور تجربہ ان کی تخلیقات میں ان کے ساتھ رہا اور اس نے انشائیے میں خاص طور پر ظہور کیا ہے۔ لہٰذا ان کے انشائیے فطرت نگاری کے غماز ہیں۔

4۔ مشتاق قمر کے افسانے اسلوبی زاویے سے واضح طور پر دو حصوں میں منقسم ہیں، ایک کہانی پن پر مبنی روایتی اسلوب اور دوسرا علامتی اسلوب۔ انھوں نے دونوں اسالیب میں مہارت کا ثبوت دیا ہے اور اپنی فکر اور اپنے منتخب کردہ موضوعات کو ان اسالیب کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے قاری تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔

5۔ مشتاق قمر کے افسانوں میں کہانی پن کا اسلوب ان کی پہلی کتاب "لہو اور مٹی" میں زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ اس میں ان کے ہاں زبان و بیان کی سادگی، فطرت نگاری اور جذباتی کیفیات کا اظہار زیادہ نمایاں ہے۔

6۔ مشتاق قمر کے افسانوں میں علامتی اسلوب ان کے شخصی تناظر میں سامنے آتا ہے۔ پختہ

عمری میں ان کی نفسی کیفیات ایسی ہو گئی تھیں جن میں پیچیدگی، ابہام، ایمائیت اور کشمکش نمایاں عناصر تھے۔ یہی کیفیات ان کے افسانوں میں بھی نظر آتی ہیں جن کو انھوں نے علامتی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ان کی کتاب "معتوب شہر" ان کے اس پیرائے میں لکھے گئے افسانوں پر مشتمل ہے۔

7۔ مشتاق قمر کے علامتی دور کے افسانوں کے متوازی انھوں نے جو افسانے غیر علامتی اسلوب میں لکھے، نسبتاً زیادہ طاقت ور ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا فطری میلان کہانی پن یا مزاح کی طرف زیادہ تھا لیکن انھوں نے جدید دور کے تقاضوں سے متاثر ہو کر یا اسے اپنی نفسی کیفیات سے ہم آہنگ جانتے ہوئے علامتی اسلوب اختیار کیا۔ ان کی علامتیں زیادہ تر مذہبی پس منظر سے آئی ہوئی ہیں۔

8۔ تقابلی حوالے سے دیکھا جائے تو مشتاق قمر کے افسانوں اور انشائیوں میں اسلوبی اعتبار سے بنیادی فرق شگفتہ نگاری کا ہے۔ ان کے انشائیے شگفتگی اور مزاح کے حوالے سے بہت نمایاں ہیں لیکن ان کے افسانوں میں ان کی نثر کی اس اسلوبی جہت کا اظہار کم ہوا ہے۔

9۔ مشتاق قمر کے نثری اسلوب کی نمایاں تر خوبی اختصار ہے جو ان کے انشائیوں اور افسانوں دونوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ ان کا کوئی افسانہ بھی طویل افسانے کے ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی طرح ان کے انشائیے بھی اختصار کی طرف مائل ہیں جس کے باعث ان کے ہاں انشائیے کا وہ وصف بھی نمایاں ہوا ہے جسے عدم تکمیل کا احساس کہا جاتا ہے۔

10۔ اسلوبی عناصر کے جملہ زاویوں کو ملا کر دیکھا جائے تو مشتاق قمر ایک صاحبِ اسلوب نثر نگار کہے جا سکتے ہیں جن کی نثر ایک اپنا میلان، ایک اپنا ذائقہ اور ایک اپنی انفرادیت رکھتی ہے۔

ج: سفارشات

اس تحقیق کے بعد درج ذیل سفارشات پیش ہیں:

1۔ مشتاق قمر کے انشائیے اپنے اسلوب کے اعتبار سے مغرب کے انشائیوں کے اسلوبی عناصر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے انشائیوں پر ایک الگ تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

2۔ مشتاق قمر نے "ایک دن کا آدمی" کے عنوان سے ایک ناول بھی لکھا ہے۔ آئندہ کسی تحقیقی منصوبے میں ان کے ناول کے اسلوبی مطالعے کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

3۔ مشتاق قمر اور ان کے معاصر افسانہ نگار اردو میں انشائیہ نگاری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اس کا سنہری دور کہلا سکتا ہے۔ اس زاویے سے اس دور کی انشائیہ نگاری پر مجموعی تحقیق کرنا بھی مناسب ہو گا۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:

مشتاق قمر، لہو اور مٹی، المزاح، راولپنڈی، 1966

مشتاق قمر، معتوبِ شہر، مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، 1980

مشتاق قمر، ہم ہیں مشتاق، مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، 1970

ثانوی مآخذ:

کتب:

ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، اردو فکشن کی تنقید، لاہور، 1997

ارشد محمود قاضی، مشتاق قمر کی ادبی خدمات، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2018

اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2003

ایم اے فاروقی (مرتب)، افسانے کے مباحث، بک ٹائم کراچی، 2017

بشیر سیفی، ڈاکٹر، اردو میں انشائیہ نگاری، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، 1989

پرویز بزمی، خوش کلام غلام جیلانی اصغر، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، 1970

جمیل آذر، پروفیسر، انشائیہ اور انفرادی سوچ، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2004

جنید مظفر، مشتاق قمر کے ناول و ڈراما کا خصوصی مطالعہ، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2016

حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،

خالد اقبال یاسر (مرتب)، ادبی زاویے، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1984

رشید امجد، ڈاکٹر، رویے اور شناختیں، مقبول اکیڈمی، راولپنڈی، 1988

ریاض احمد، تنقیدی مسائل، اردو بک سٹال، لاہور، 1961

سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1986

سہیل احمد خان، ڈاکٹر، محمد سلیم الرحمٰن (مؤلفین)، منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، 2005

سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، 1966

سید عبداللہ، ڈاکٹر، طیفِ نثر، مرتبہ: ممتاز منگلوری، لاہور اکیڈمی، لاہور، 1994

سید محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، اردو کے اسالیبِ بیاں، مکتبہ معین الادب، لاہور، 1962

شبلی نعمانی، مولانا، شعر العجم، جلد چہارم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1972

شمس الرحمٰن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، شہر زاد، کراچی، اشاعت چہارم، 2012

شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، پاکستان اسٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، کراچی، 1997

عابد علی عابد، سید، اسلوب، اسرار کریمی پریس، الٰہ آباد، 1976

فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ، لاہور، بارِ دوم 1999

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو نثر کا فنی ارتقا، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1989

گوپی چند نارنگ (مرتب)، اردو افسانہ، روایت اور مسائل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011

مجنوں گورکھپوری، ادب اور زندگی، مکتبہ دانیال، کراچی، 1984

محمد وسیم انجم، ڈاکٹر (مرتب)، مشتاق شناس، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2018

محمد وسیم انجم، ڈاکٹر، شذراتِ انجم، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 2018

مشتاق قمر، ایک دن کا آدمی، مرتبہ: محمد وسیم انجم، انجم پبلشرز، راولپنڈی، 1999

ممتاز حسین، ادب اور شعور، ادارہ نقدِ ادب، کراچی، 1992

وزیر آغا، انشائیہ کے خدوخال، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی، 1991

رسائل

ادب لطیف، لاہور، جلد 65، شمارہ 4، جون 2000

اوراق، لاہور، جلد 25، سالنامہ جنوری فروری، 1990

سرسیدین، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، راولپنڈی، 1999

لغات

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1998

محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون1989

Urdu English Dictionary (Revised Edition), Ferozsons, Lahore

انٹرویو

وسیم انجم، ڈاکٹر سے مقالہ نگار کا انٹرویو، بمقام وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد، مورخہ 16 جون، 2019